اِنسانیّت

موت کے دروازہ پر

(الہلال)

COUNCIL FOR INDO-ARAB CULTURAL RELATIONS
NEW DELHI

گوشۂ ادب • چوک انارکلی • لاہور
MAKTABA JAMIA LTD.
URDU BAZAR,
DELHI-6.

فہرس

رحلت نبوی صلعم	۷
وفات صدیق رض	۴۲
شہادت فاروق رض	۵۳
شہادت عثمان رض	۷۰
شہادت مرتضیٰ رض	۹۸

قیمت تین روپے

سنہ ۱۹۵۸ء

بار نہم

مبارک علی ملک پرنٹر و پبلشر نے انشا پریس، آسدہ بازار لاہور
میں چھپوا کر گوشہ ادب، چوک انارکلی لاہور
سے شائع کیا

تعارف

انسان کی پوری زندگی کا درد انگیز خلاصہ آخری وقت کے چند لمحے ہیں۔ اس وقت کم سنی، جوانی اور بڑھاپے کے تمام بھلے بُرے اعمالِ زندگی تمام مصنوعی نقاب پھاڑ کر ایک نقطے پر سمٹ آتے ہیں، اور کبھی درد و عبرت کے چند جملے بن کر زبان سے بہ جاتے ہیں اور کبھی یاس و حسرت کے چند گلابی آنسو بن کر آنکھ سے ٹپک پڑتے ہیں۔ ہم نے اس صحیفۂ درد، اور اس کتاب عبرت میں انہیں درد انگیز جملوں اور دل گداز آنسوؤں کو جمع کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اصلاحِ اعمال اور تزکیۂ نفس کے لئے ان نشتروں کا مطالعہ بے حد پُر اثر ثابت ہوگا۔

الہلال کا پُر سوز سلسلہ مضامین ـــــ "انسانیت موت کے دروازے پر" بھی شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے۔ جس سے اس کتاب کی افادی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے ٭

عبدالمجید قریشی

شہادت حسین رض	۱۱۴
عمرو بن العاص رض	۱۸۷
حجاج بن یوسف	۱۹۵
معاویہ بن ابوسفیان رض	۲۰۳
خبیب رض بن عدی	۲۱۱
عبداللہ ذوالبجادین رض	۲۱۹
عبداللہ ابن زبیر رض	۲۲۷
عمر رض بن عبدالعزیز	۲۳۹

رحلتِ نبویؐ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	جب اللہ کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہوا، تم
وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ	نے دیکھ لیا کہ لوگ، دینِ خداوندی میں
فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ	فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ اب تم
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ	اللہ کی یاد میں مصروف ہو جاؤ اور استغفار
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝	کرو، بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے

آخری حج کی تیاری

جب یہ سورت نازل ہوئی تو پیغمبرِ انسانیت نے اللہ کی مرضی کو پا لیا کہ اب وقتِ رحلت قریب آگیا ہے حضورؐ اس سے پہلے خانہ کعبہ میں تطہیرِ حرم کا آخری اعلان کر چکے تھے۔ کہ آئندہ کسی مشرک کو اللہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہو گی۔ اور کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکے گا۔ حضورؐ نے ہجرت کے بعد فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ اب ۱۰ سنہ ہجری میں آمادہ پیدا ہوئی۔ کہ سفرِ آخرت سے پہلے تمام امت کے ساتھ مل کر آخری حج کر لیا جائے۔ بڑا اہتمام کیا گیا کہ کوئی عقیدت کیش ہمرکابی کی سعادت سے محروم نہ رہ جائے۔ حضرت علیؓ کو یمن سے بلایا گیا۔ قبائل کو آدمی بھیجکر ارادۂ پاک کی اطلاع دی گئی۔ تمام ازواج مطہرات کو رفاقت کی بشارت سنائی۔ حضرت فاطمہؓ

پر نعرہ ہائے تکبیر کا ایک دریائے رواں جاری ہو جاتا۔ سفرِ مبارک نور و نور جاری رہا۔
۴ ذوالحج کو طلوعِ آفتاب کے ساتھ مکہ معظمہ کی عمارتیں نظر آنے لگی تھیں اور ہاشمی خاندان کے معصوم بچے اپنے بزرگ کائنات کی تشریف آوری کی ہوا سنکر اپنے اپنے گھروں سے دوڑتے ہوئے نکل رہے تھے۔ کہ چہرۂ انور کی مسکراہٹوں کے ساتھ لپٹ جائیں۔
اِدھر سرورِ عالمؐ شفقت منتظر کی تصویر بن رہے تھے۔ حضور پاکؐ نے اپنے کمسن بچوں کے معصوم چہرے دیکھے، تو جوشِ محبت سے جھک گئے اور کسی کو اونٹ کے آگے بٹھا لیا اور کسی کو پیچھے سوار کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد کعبۃ اللہ کی عمارت نظر پڑی تو فرمایا۔

"اے اللہ! خانہ کعبہ کو اور زیادہ شرف و امتیاز عطا فرما"

معمارِ حرم نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا، پھر مقامِ ابراہیم کی طرف تشریف لے گئے اور دوگانہ تشکر ادا کیا۔ اُس وقت زبانِ پاک پر یہ آیت جاری تھی۔
وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔ اور مقامِ ابراہیمؑ کو سجدہ گاہ بناؤ۔
کعبۃ اللہ کی زیارت کے بعد صفا اور مروہ کے پہاڑوں پر تشریف لے گئے۔ یہاں پر آنکھیں کعبۃ اللہ سے دوچار ہوئیں، تو زبانِ پاک سے ابرِ گہربار کی طرح کلماتِ توحید و تکبیر جاری ہو گئے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	خدا، صرف خدا، معبودِ برحق، کوئی اس کا شریک نہیں۔ ملک اس کا حمد اس کیلئے، وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہی ہر چیز پہ

کو تیاری کا حکم دیا۔ ۲۵ ذیقعد کو مسجدِ نبوی میں جمعہ ہوا اور وہیں ۲۶ کی روانگی کا اعلان ہو گیا۔ جب ۲۶ کی صبح منوّر ہوئی تو چہرۂ انور سے روانگی کی مسرّتیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ غسل کر کے لباس تبدیل فرمایا اور ادائے ظہر کے بعد، حمد و شکر کے ترانوں میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ اس وقت ہزارہا خدامِ اُمت اپنے نبیٔ نعمت کے ہمرکاب تھے۔ یہ قافلۂ مقدس، مدینہ منوّرہ سے ۶ میل دور، ذی الحلیفہ میں پہنچکر رُکا۔ اور شب بھر اقامت فرمائی۔ دوسرے روز حضور پاک نے دوبارہ غسل فرمایا۔ حضرت صدیقہؓ نے جسمِ پاک پر اپنے ہاتھوں سے عطر ملا۔ راہ سپار ہونے سے پہلے آپ پھر اللہ کی حاضری میں کھڑے ہو گئے۔ اور بڑے درد و گداز سے دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور ترانۂ لبیک بلند کر دیا۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ ، وَالْمُلْکَ لَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ۔

اس ایک صدائے حق کی اقتدا میں ہزارہا خدا پرستوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آسمان کا جوف حمدِ خدا کی صداؤں سے لبریز ہو گیا۔ اور دشت و جبل، توحید کے ترانوں سے گونجنے لگے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں، جہاں تک انسان کی نظر کام کرتی تھی۔ انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ جب اونٹنی کسی اونچے ٹیلے پر سے گزرتی، تو تین تین مرتبہ صدائے تکبیر بلند فرماتے۔ آوازۂ نبوی کے ساتھ لاکھوں آوازیں اور اُٹھتیں اور کاروانِ نبوت کے سروں

اسی لئے اتحادِ امت کا موضوع اپنے سامنے رکھ لیا، اور پھر دردِ نبوت کی پوری توانائی اسی موضوع پر صرف فرما دی پہلے نہایت ہی درد انگیز الفاظ میں، قیام اتحاد کی اپیل کی۔ پھر فرمایا کہ پس ماندہ طبقات کو شکایت کا موقع نہ دینا: تاکہ حصار اسلام میں کوئی شگاف نہ پڑ جائے۔ پھر اسباب نفاق کی تفصیل پیش کر کے اُن کی بیخکنی کا عملی طور پر سروسامان فرمایا۔ پھر واضح کیا کہ جملہ مسلمانوں کے اتحاد کا مستقل سنگ اساس کیا ہے؟ آخری وصیت یہ فرمائی کہ ان ہدایات کو آئندہ نسلوں میں پھیلانے اور پہنچانے کے فرض میں کوتاہی نہ کرنا۔ خاتمہ تقریر کے بعد حضورؐ نے اپنی فاتی سرخروئی کے لئے حاضرین سے شہادت پیش کرتے ہوئے اس طرح بار بار اللہ کو پکارا کہ مخلوق خدا کے دل پگھل گئے، آنکھیں پانی بن گئیں، اور روحیں انسانی جسموں کے اندر تڑپ تڑپ کر الامان اور الغیاث کی صدائیں بلند کرنے لگیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد خطبۂ حج کا پہلا دردانگیز فقرہ یہ تھا:۔

"اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد، میں اور تم اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے۔"

اس ارشاد سے اجتماع کی غرض و غایت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آگئی۔ اور جس شخص نے بھی یہ ارشادِ مبارک سُنا، تڑپ کر رہ گیا۔ اب اصل پیغام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا:۔

"اے لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہارا ننگ و ناموس، اسی طرح

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۔

قادر ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس نے اپنے بندے کی امداد فرمائی اور اکیلے نے تمام قبائلی جمعیتیں پاش پاش کر دیں۔

۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام فرمایا۔ ۹ کو جمعہ کے روز نماز صبح ادا کر کے منیٰ سے روانہ ہوئے اور وادیٔ نمرہ میں آ ٹھہرے، دن ڈھلے میدانِ عرفات میں تشریف لائے تو ایک لاکھ ۲۴ ہزار، خدا پرستوں کا مجمع سامنے تھا۔ اور زمین سے آسمان تک تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ اب سرکارِ دو عالم قصواء پر سوار ہو کر آفتابِ عالمتاب کی طرح کوہِ عرفات کی چوٹی سے طلوع ہوئے۔ تاکہ خطبۂ حج ارشاد فرمائیں۔ پہاڑ کے دامن میں عائشہؓ اور صفیہؓ۔ علیؓ اور فاطمہؓ۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ۔ خالدؓ اور بلالؓ۔ اصحابِ صفہؓ اور عشرہ مبشرہؓ اور دوسری سینکڑوں اسلامی جماعتیں اور قبائلی جمعیتیں جلوہ فرما تھیں اور پہلی ہی نظر سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ والیٔ اُمّت، اپنی اُمّت کی موجودات لے رہے ہیں اور محافظ حقیقی کو اس کا چارج سپرد فرما رہے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

رسول اللہ کے آخری آنسو، جو اس اُمّت کے غم میں بہے، حجۃ الوداع کے خطبہ میں جمع ہیں۔ اس وقت دولت و حکومت کا سیلاب مسلمانوں کی طرف اُمنڈا چلا آ رہا تھا۔ اور رسول اللہ کا غم یہ تھا کہ دولت کی یہ فراوانی، آپ کے بعد، آپ کی اُمّت سے رابطۂ اتحاد کو پارہ پارہ کر دیگی۔

اے لوگو! تمہارے غلام، تمہارے غلام۔ جو خود کھائیں گے، وہی انہیں کھلانا
جو خود پہنیں گے، وہی انہیں پہنانا"

عرب میں فساد و خون ریزی کے بڑے بڑے موجبات دو تھے، ادائے سود کے مطالبات اور مقتولوں کے انتقام۔ ایک شخص، دوسرے شخص سے اپنے قدیم خاندانی سود کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور یہی جھگڑا پھیل کر خون کا دریا بن جاتا تھا۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کو قتل کر دیتا۔ اس سے نسلاً بعد نسلٍ قتل و انتقام کے سلسلے جاری ہو جاتے تھے۔

رسول اللہ انہیں دونوں اسبابِ فساد کو باطل فرماتے ہیں۔

"اے لوگو! آج میں جاہلیت کے تمام قواعد و رسوم کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے قتلوں کے جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی مقتول ربیعہ بن حارث کے خون سے، جسے ہذیل نے قتل کیا تھا۔ دست بردار ہوتا ہوں۔ میں زمانۂ جاہلیت کے تمام سودی مطالبات باطل قرار دیتا ہوں۔ اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سود ــــ عباس بن عبدالمطلب کے سود سے دست بردار ہوتا ہوں"

سود اور خون کے قرض معاف کر دینے کے بعد فروعدالتِ نفاق کی طرف متوجہ ہوئے، اور ورثہ، نسب، مفروضیت اور ضمانت کے تنازعات کے متعلق فرمایا:۔

"اب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا کسی کو وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچہ جس کے بستر پر پیدا

ایک دوسرے پر حرام ہے، جس طرح یہ دن (جمعہ) یہ مہینہ (ذی الحج) اور
یہ شہر (مکہ مکرمہ) تم سب کے لئے قابلِ حرمت ہے۔"

اسی نکتے پر مزید زور دے کر ارشاد فرمایا :-

" اے لوگو! آخر تمہیں بارگاہِ ایزدی میں پیش ہونا ہے، وہاں تمہارے
اعمال کی باز پرس کی جائیگی۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جائیو، کہ ایک
دوسرے کی گردنیں کاٹنا شروع کر دو۔"

رسولِ پاکؐ کی یہ دردمندانہ وصیت زبانِ پاک سے نکلی۔ اور تیر کی طرح دلوں کو چیر گئی
اب اُن نفاق انگیز شگافوں کی طرف توجہ دلائی، جن کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔
یعنی یہ کہ اقتدارِ اسلام کے بعد غریب اور پس ماندہ گروہوں پر ظلم کیا جائے گا۔
اس سلسلہ میں فرمایا :-

" اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اپنے اللہ سے ڈرتے رہنا۔ تم نے انہیں
خدا کی ذمہ داری سے انہیں زوجیت میں قبول کیا ہے، اور اللہ کا نام
لیکر اُن کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ
وہ غیر کو تمہارے بستر پہ نہ آنے دیں، اگر وہ ایسا کریں۔ تو تم انہیں ایسی
مار مارو، جو نمایاں نہ ہو، اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں بافراغت
کھانا کھلاؤ اور بافراغت کپڑا پہناؤ۔"

اسی سلسلے میں فرمایا :-

اتحادِ امّت کے عملی پروگرام کی طرف راہنمائی فرمائی :-

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور نہ میرے بعد کوئی نئی اُمّت ہے۔ پس تم سب اپنے اللہ کی عبادت کرو۔ نماز پنجگانہ کی پابندی کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالو، اللہ کے گھر کا حج کرو۔ حکامِ امّت کے احکام مانو اور اپنے اللہ کی جنّت میں جگہ حاصل کر لو۔"

آخر میں فرمایا :-

وَ اَنتم تسئلون عنی فما انتم قائلون۔

ایک دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کریگا، تم اس وقت کیا جواب دو گے؟

اِس پر مجمع عام سے پُر جوش صدائیں بلند ہوئیں :-

انک قد بلغتَ — اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے تمام احکام پہنچا دیئے۔

وادّیت — اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے فرضِ رسالت ادا کر دیا۔

ونصحت — اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔

اس وقت حضور سرورِ عالم کی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اُٹھی۔ ایک دفعہ آسمان کی طرف انگلی اُٹھاتے تھے۔ اور دوسری دفعہ مجمع کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور کہتے جاتے تھے :-

ہو، اُس کو دیا جائے۔ اور زناکاروں کے لئے پتھر ہے۔ اور اُن کی جوابدہی
اللہ پر ہے۔ جو لڑکا، باپ کے سوا، کسی دوسرے نسب کا دعوے کرے
اور غلام اپنے مولا کے سوا کسی طرف اپنی نسبت کرے، ان پر خدا کی
لعنت ہے۔ عورت شوہر کے بلا اجازت، اس کا مال صرف نہ کرے
قرض ادا کئے جائیں۔ عاریت واپس کی جائے۔ عطیات لوٹائے جائیں
اور ضامن تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔"

اہلِ عرب کے نزاع اور اسباب نزاع کا دفعیہ ہو چکا، تو اس بین الاقوامی تفریق کی
طرف توجہ فرمائی۔ جو صدیوں کے بعد عرب و عجم، یا گورے اور کالے کے نام سے پیدا
ہونے والی تھی۔ ارشاد فرمایا۔

"ہاں اے لوگو! تم سب کا خدا بھی ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے۔
لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر، کسی سُرخ کو سیاہ پر، کسی سیاہ کو سُرخ پر کوئی
پیدائشی برتری یا امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں افضل وہی ہے۔ جو
پرہیزگاری میں ہو۔ ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔ اور تمام مسلمان
ایک برادری ہیں۔"

اتحادِ اسلام کی مستقل اساس کی طرف راہنمائی فرمائی:۔

"اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں، کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے
ساتھ پکڑے رکھا، تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن ہے۔"

دعائیں کرتے رہے۔ جب غروبِ آفتاب کے قریب ناقہ، نبوی، ہجومِ خلائق میں سے گذرا تو آپ کے خادم اسامہ بن زید، آپ کے ساتھ سوار تھے اور کثرتِ ہجوم کے باعث لوگوں میں اضطراب سا پیدا ہو رہا تھا۔ اس وقت حضورؐ ناقہ کی مہار کھینچتے جاتے تھے اور زبانِ پاک سے ارشاد فرماتے جاتے تھے:۔

السکینۃ ایھا الناس — لوگو! سکون کے ساتھ

السکینۃ ایھا الناس — لوگو! آرام کے ساتھ

مزدلفہ میں نمازِ مغرب ادا کی، اور سواریوں کو آرام کے لئے کھول دیا گیا۔ پھر نمازِ عشا کے بعد لیٹ گئے، اور صبح تک آرام فرماتے رہے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ عمر بھر میں یہی ایک شب تھی جس میں آپ نے نمازِ تہجد ادا نہیں فرمائی۔ ۱۰ ذی الحج کو ہفتہ کے روز جمرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے چچیرے بھائی فضل بن عباس آپ کے ساتھ سوار تھے۔ ناقہ قدم بقدم جا رہی تھی، چاروں طرف ہجوم تھا۔ لوگ مسائل پوچھتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے۔ جمرہ کے پاس ابن عباس نے کنکریاں چن کر دیں، تو آپ نے انہیں پھینکا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! مذہب میں غلو کرنے سے بچے رہنا۔ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئی ہیں"

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فراقِ امت کے جذبات تازہ ہو جاتے تھے۔ آپ اس وقت ارشاد فرماتے تھے:۔

اللّٰھم اشھد — اے اللہ خلقِ خدا کی گواہی سُن لے۔
اللّٰھم اشھد — اے اللہ! مخلوقِ خدا اعتراف سُن لے۔
اللّٰھم اشھد — اے اللہ! گواہ ہو جا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"جو لوگ موجود ہیں، وہ اُن لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں ہیں میری ہدایات پہنچاتے چلے جائیں۔ ممکن ہے کہ آج کے بعض سامعین سے زیادہ پیام تبلیغ کے سُننے والے اس کلام کی مخالفت کریں"۔

تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت

خطبۂ حج سے فارغ ہوئے تو جبریلِ امین وہیں تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کا تاج لے آئے اور یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔

آج میں نے تمہارے لئے، تمہارا دین مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی۔ اور دین اسلام پہ اپنی رضامندی کی مہر لگا دی۔

سرکارِ دو عالم نے جب لاکھوں کے اجتماع میں اتمامِ نعمت اور تکمیلِ دینِ فطرت کا یہ آخری اعلان فرمایا، تو آپ کی سواری کا سامان ایک روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا اختتامِ خطبہ کے بعد حضرت بلال رضؓ نے اذان بلند کی اور حضورؐ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھائی۔ یہاں سے ناقہ پر سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے، اور دیر تک بارگاہِ الٰہی میں کھڑے

مسلمان :- بے شک ! قربانی کا دن ہے ۔

پیغمبرِ انسانیت ۔ یہ کونسا مہینہ ہے ؟

مسلمان :- اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں ۔

پیغمبرِ انسانیت :- (طویل خاموشی کے بعد) کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے ؟

مسلمان :- بے شک یہ ذوالحجہ ہے ۔

پیغمبرِ انسانیت :- یہ کونسا شہر ہے ؟

مسلمان :- اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں ۔

پیغمبرِ انسانیت :- (طویل خاموشی کے بعد) کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے ؟

مسلمان :- بے شک یہ بلدۃ الحرام ہے ۔

اس کے بعد فرمایا :-

" مسلمانو ! تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ، اور یہ شہر محترم ہیں ۔ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو ۔ اے لوگو ! تمہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے، وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کریگا ۔ اگر کسی نے جرم کیا تو وہ خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا ۔ باپ بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں ۔ اور بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار نہیں ۔ اب شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہارے اس شہر میں کبھی اس کی پرستش کی جائے گی ۔ ہاں تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں

"اس وقت حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے۔"

میدانِ منیٰ اور عیدِ قربان کے خطبات

یہاں سے منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلال رضؓ مہار تھامے کھڑے تھے، اسامہ بن زیدؓ پیچھے بیٹھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں، مہاجرین، انصار، قریش اور قبائل کی صفیں، دریا کی طرح رواں تھیں، اور ان میں ناقۂ نبویؐ کشتیٔ نوح کی طرح، ستارہ نجات بن رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ باغبانِ ازل نے قرآن کریم کے انوار سے صدق و اخلاص کی جو نئی دنیا بسائی تھی۔ اب وہ شگفتہ و شاداب ہو چکی ہے حضورؐ نے اسی دورِ جدید کی یاد تازہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"آج زمانے کی گردش دنیا کو پھر اسی نقطۂ فطرت پر لے آئی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق ارض و سما کی ابتدا کی تھی۔"

پھر ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کی حرمت کا اعلان کرتے ہوئے مجمع کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔

پیغمبر انسانیت:۔ آج کون سا دن ہے؟

مسلمان:۔ اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔

پیغمبر انسانیت:۔ (طویل خاموشی کے بعد) کیا آج قربانی کا دن ہے؟

کسی بحث میں اُلجھ کر حضورؐ کے مختصر سے خاندان کے ساتھ بے لحاظی کا سلوک نہ کریں۔
مدینہ کے قریب پہنچکر رات ذوالحلیفہ میں ٹھہرے۔ اور دوسرے دن مدینہ منورہ میں
داخل ہوگئے۔ محفوظ، مامون حمد کرتے ہوئے اور شکر بجالاتے ہوئے۔

ملکِ بقا کی تیاری

حضور سرورِ عالمؐ مدینہ منورہ میں پہنچکر فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کی تعمیل میں مصروف ہو چکے تھے۔ بارگاہِ ایزدی کی حاضری کا شوق، روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ صبح و شام حبودِ حقیقی کے ذکر و یاد کی طلب تھی، اور بس۔

رمضان المبارک میں ہمیشہ دس روز کا اعتکاف فرماتے تھے، ۱۰ھ میں بیس روز کا اعتکاف فرمایا۔ ایک دن حضرت فاطمہ بتولؓ تشریف لائیں، تو اُن سے فرمایا، پیاری بیٹی اب مجھے اپنی رحلت قریب معلوم ہوتی ہے۔ انہیں ایام میں شہدائے اُحد کی تکلیف بے بسی کی شہادت اور مردانہ وار قربانیوں کا خیال آگیا، تو گنج شہیداں میں تشریف لے گئے۔ اور بڑے درد و گداز سے ان کے لئے دعائیں کیں، نمازِ جنازہ پڑھی، اور انہیں اس طرح الوداع کہی، جس طرح ایک بزرگ شفیق، اپنے کم سن بچوں سے پیار کرتا ہے، اور پھر انہیں الوداع کہتا ہے، یہاں سے واپس آئے تو منبر نبوی پر جلوہ طراز ہوئے اور ارباب صدق و صفا سے نہایت درد مندانہ لہجہ میں مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

"دوستو! اب میں تم سے آگے منزلِ آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں تاکہ بارگاہِ ایزدی میں تمہاری شہادت دوں۔ واللہ مجھے یہاں سے وہ اپنا حوضِ نظر

اس کی پیروی کروگے تو وہ ضرور خوش ہوگا۔ اے لوگو! توحید، نماز، روزہ
زکوٰۃ اور حج۔ یہی جنت کا داخلہ ہے۔ میں نے تمہیں حق کا پیغام پہنچا دیا
ہے۔ اب موجود لوگ، یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچاتے رہیں، جو بعد
میں آئیں گے۔"

یہاں سے قربان گاہ میں تشریف لائے اور ۶۳ اونٹ خود ذبح فرمائے۔ اور ۳۷ کو
حضرت علیؓ سے ذبح کرایا اور ان کا گوشت اور پوست سب خیرات کر دیا۔ پھر عبداللہ
بن عمر کو طلب کر کے سر کے بال اتروائے اور یہ بال صحابہ میں تقسیم ہو گئے۔ یہاں سے
اٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور زمزم پی کر منیٰ میں واپس تشریف لے گئے۔ اور ۱۲
ذوالحجہ تک وہیں اقامت فرمائی۔ ۱۳ کو خانہ کعبہ کا آخری طواف کیا اور انصار و
مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ جب غدیر خم میں پہنچے تو صحابہ
کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:-

"اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے اللہ کا فرستادہ جلد آجائے۔
اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے لئے دو مرکز ثقل قائم کر چلا ہوں ایک
اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی جمع ہے۔ اسے مضبوطی اور استواری
کے ساتھ پکڑ لو، دوسرا مرکز میرے اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے بارہ
میں تمہیں خدا ترسی کی وصیت کرتا ہوں۔"

گویا یہ اجتماع امت کے لئے اہل و عیال کے حقوق و احترام کی وصیت تھی، تاکہ وہ

امن وعافیت سے شاد کام فرمائے۔ میں اس وقت تمہیں صرف خوفِ خدا و اتقا کی وصیّت کرتا ہوں۔ اب اللہ تعالیٰ ہی تمہارا وارث اور خلیفہ ہے اور میری تم سے اپیل اسی کے خوف کے لئے ہے۔ اس لئے کہ میرا منصب نذیرِ مبین ہے۔ دیکھنا، اللہ کی بستیوں اور بندوں میں تکبّر اور برتری اختیار نہ کرنا۔ یہ حکم ربّانی ہر وقت تمہارے ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے۔"

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

یہ آخرت کا گھر ہے۔ ہم یہ ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین میں غرور اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔ آخرت کی کامرانی پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

پھر فرمایا:۔ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ کیا تکبّر کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ نہیں ہے؟ آخری الفاظ یہ ارشاد فرمائے "سلام تم سب پر اور ان سب لوگوں پر جو واسطہ اسلام سے میری بیعت میں داخل ہوں گے۔"

علالت کی ابتدا

۲۹ صفر بروز دوشنبہ ایک جنازے سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں سر کے درد سے علالت کا آغاز ہو گیا۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے تھے۔ کہ سرکارِ دو جہاں کے سر مبارک پہ رومال بندھا تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا۔ یہ اس قدر جل رہا تھا کہ ہاتھ کو برداشت نہ ہوتی تھی۔ دوشنبہ تک اشتدادِ مرض نے مرضیٔ اقدس پہ زیادہ قابو پا لیا۔ اِس واسطے

آ رہا ہے۔ جس کی وسعت ایلہ سے حجفہ تک ہے، مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اب مجھے یہ خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے، البتہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اور اس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کرو، اس وقت تم اُسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔"

کچھ دیر کے بعد قلب صافی میں حضرت زید بن حارث کی یاد تازہ ہو گئی، انہیں حدود شام کے عربوں نے شہید کر دیا تھا، ارشاد فرمایا "اسامہ بن زید فوج لے کر جائیں اور اپنے والد کا انتقام لیں۔"

ان ایام میں خیالِ مبارک زیادہ تر گذشتہ ہوئے نیازمندوں ہی کی طرف مائل محبت رہتا تھا، ایک رات آسودگان بقیع کا خیال آ گیا۔ یہ عام مسلمانوں کا قبرستان تھا جوشِ محبت سے آدھی رات اُٹھ کر وہاں تشریف لے گئے۔ اور عام اُمتیوں کیلئے بڑے سوز سے دعا فرماتے ہے۔ پھر یہاں کے روحانی دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

انا بکم لاحقون، میں اب جلد تمہارے ساتھ شامل ہو رہا ہوں۔

ایک دن مسجد نبوی میں پھر مسلمانوں کو یاد فرمایا۔ اجتماع ہو گیا۔ تو ارشاد فرمایا:۔

"مسلمانو! مرحبا اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنی نعمتیں نازل فرمائے، تمہاری دل شکستگی دور فرمائے۔ تمہاری اعانت و دستگیری فرمائے۔ تمہیں رزق اور برکت مرحمت فرمائے، تمہیں عزت و رفعت سے سرفراز فرمائے، تمہیں دولت

پانی کی سات مشکیں ڈلوائیں۔ اِس سے مزاجِ اقدس میں خنکی اور تسکین سی پیدا ہو گئی، مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: مسلمانو! تم سے پہلے ایک قوم گذری ہے جس نے اپنے انبیاؑ و صلحاؑ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ تم ایسا نہ کرنا۔" پھر فرمایا: "ان یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ پھر فرمایا: "میری قبر کو میرا بت نہ بنا دینا کہ اس کی پرستش شروع ہو جائے۔" پھر فرمایا: "مسلمانو! وہ قوم اللہ کے غضب میں آجاتی ہے، جو نبیوں کو مسجد بنا دے۔" پھر فرمایا: "دیکھو، میں تم کو اس سے منع کرتا رہا ہوں، دیکھو، اب پھر یہی وصیت کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔"

پھر یہ ارشاد فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے، کہ وہ دنیا و مافیہا کو قبول کرے یا آخرت کو، مگر اُس نے صرف آخرت ہی کو قبول کر لیا ہے۔"

یہ سُنکر رمز شناس نبوت، حضرت صدیق اکبرؓ آنسو بھر لائے اور رونے لگے، اور کہا: "یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں اور ہمارے مال آپ پر قربان ہو جائیں۔" لوگوں نے ان کو تعجب سے دیکھا کہ حضور انورؐ تو ایک شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں، پھر اس میں رونے کی کونسی بات ہے؟ مگر یہ بات اُنہوں نے سمجھی، جو رو رہے تھے۔ حضرت صدیقؓ کی اس بے کلی نے

ازواجِ مطہرات نے اجازت دے دی کہ اب حضورؐ کا مستقل قیام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں کر دیا جائے۔ اس وقت مزاجِ اقدس پر ضعف، اس قدر طاری تھا کہ خود قدموں سے چل کر حجرۂ عائشہ تک تشریف نہیں لے جا سکے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے رسولِ کردگار کے دونوں بازو تھامے، اور بڑی مشکل سے حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لائے۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بیمار ہوتے تھے، یہ دعا اپنے ہاتھوں پر دم کر کے، جسم مبارک پر ہاتھ پھیر لیتے تھے :۔

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ	اے مالکِ انسانیت! خطرات دور فرما دے
وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ	اے شفا دینے والے تو شفا عطا فرما دے شفا
اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ	وہی ہے جو تو عنایت کرے، وہ صحت
سَقَمًا ۝	عطا کر کہ کوئی تکلیف باقی نہ رہے۔

اس مرتبہ میں نے یہ دعا پڑھی، اور نبیٔ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے یہ چاہا کہ جسم اطہر پر مبارک ہاتھ پھیر دوں، مگر حضورؐ نے ہاتھ پیچھے ہٹا لئے اور ارشاد فرمایا :۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِا	اے اللہ! معافی، اور اپنی رفاقت عطا
الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔	فرما دے۔

وفات سے پانچ روز پہلے

وفاتِ اقدس سے ۵ روز پہلے (چہار شنبہ) پنجشنبہ کے ایک شب میں بیہوش ہو گئے اور سرِ مبارک پر

حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ حضرت اسامہؓ بن زید شام پر حملہ آور ہوں، اور اپنے شہید والد کا انتقام لیں۔ اس پر منافقین کہنے لگے۔ ایک معمولی نوجوان کو اکابرِ اسلام پر سپہ سالار مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں پیغمبرِ مساوات نے ارشاد فرمایا:۔

"آج اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے۔ اور کل اس کے باپ زید کی سرداری پر تم کو اعتراض تھا۔ خدا کی قسم! وہ بھی اس منصب کے مستحق تھے، اور یہ بھی۔ وہ بھی مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور اس کے بعد یہ بھی سب سے زیادہ محبوب ہیں"

پھر فرمایا:۔ "حلال و حرام کے تعین کو میری طرف منسوب نہ کرنا، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جسے قرآن نے حلال کیا ہے، اور اسی کو حرام قرار دیا ہے، جسے خدا نے حرام کیا ہے"

اب آپ اہلِ بیت کی طرف متوجہ ہوئے، کہ کہیں رشتۂ نبوت کا غرور، انہیں عملِ وسعی سے بیگانہ نہ بنا دے، ارشاد فرمایا:۔

"اے رسول کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبرِ خدا کی پھوپھی صفیہ، خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا"

یہ خطبۂ درد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا، جس میں حضورؐ نے حاضرینِ مسجد کو خطاب فرمایا، اختتامِ کلام کے بعد، حجرۂ عائشہ میں تشریف لے آئے۔ شدتِ مرض کی حالت یہ تھی کہ عالمِ بے تابی میں کبھی ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور کبھی دوسرا

خیالِ اشرف کو دوسری طرف مبذول کر دیا، ارشاد فرمایا:۔

"میں سب سے زیادہ جس شخص کی دولت اور رفاقت کا مشکور ہوں، وہ ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں اپنی اُمّت میں سے کسی ایک شخص کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کر سکتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے۔ لیکن اب رشتۂ اسلام میری دوستی کی بنا ہے اور وہی کافی ہے۔ مسجد کے رُخ پر کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔"

انصارِ مدینہ، حضورؐ کے زمانہ علالت میں برابر رو رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ وہاں سے گزرے، تو اُنہوں نے انصار کو روتے دیکھا، دریافت کرنے پر اُنہوں نے بتایا: "آج ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں یاد آ رہی ہیں۔" انصار کی اس دردمندی اور بے دلی کی اطلاع سمعِ مبارک تک پہنچ چکی تھی، ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! میں اپنے انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان روز بروز بڑھتے جائیں گے، مگر میرے انصار "کھانے میں نمک" کی طرح رہ جائیں گے۔ یہ لوگ میرے جسم کا پیرہن اور میرے سفرِ زندگی کا توشہ ہیں۔ انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے، مگر ان کے حقوق باقی ہیں۔ جو شخص اُمّت کے نفع اور نقصان کا متولی ہو، اُس کا فرض ہے کہ وہ انصار نیکوکار کی قدر افزائی کرے، اور جن انصار سے لغزش ہو جائے، ان کے متعلق درگذر سے کام لے۔"

۳۔ قرآن پاک کے متعلق بھی کچھ ارشاد فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا۔

سرکار پاکؐ علالت کی تکلیف اور بے چینی کے باوجود ۱۱ روز تک برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے، جمعرات کے روز مغرب کی نماز بھی خود پڑھائی۔ اور اس میں سورۂ مرسلات تلاوت فرمائی۔ عشا کے وقت آنکھ کھولی اور دریافت فرمایا: "کیا نماز ہو چکی؟" مسلمانوں نے عرض کیا: "مسلمان حضورؐ کے منتظر بیٹھے ہیں"۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا اور پھر ہمت کر کے اٹھے، مگر غش آ گیا، تھوڑی دیر میں پھر آنکھ کھولی۔ اور فرمایا: "کیا نماز ہو چکی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مسلمان آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔ اس مرتبہ پھر اٹھنا چاہا، مگر بیہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی اور وہی سوال دہرایا: "کیا نماز ہو چکی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! سب لوگ حضورؐ ہی کا انتظار ہے"۔ تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا اور جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ افاقہ ہونے پر ارشاد فرمایا: "ابوبکرؓ نماز پڑھائیں"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب آدمی ہیں جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے۔ تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے"۔ ارشاد فرمایا: "وہی نماز پڑھائیں"۔ حضرت عائشہؓ کا خیال یہ تھا کہ جو شخص رسول اللہ کے بعد امام مقرر ہوگا، لوگ اسے لازماً منحوس خیال کریں گے۔ روایت ہے کہ اس وقت سیدنا اکبرؓ تشریف فرما نہیں تھے۔ اس واسطے حضرت عمرؓ کو آگے بڑھایا گیا، مگر حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔ نہیں۔ نہیں، نہیں۔ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔

سمیٹتے تھے، کبھی گھبرا کر چہرۂ انور پر چادر ڈال لیتے تھے اور کبھی اُلٹ دیتے تھے۔ ایسی حالت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے :-

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے"

وفات سے چار روز پہلے

وفات سے چار روز پہلے (جمعرات) حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا اپنے والد ابوبکرؓ اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بلا لیجئے۔ اسی سلسلے میں فرمایا: "دوات کاغذ لے آؤ، میں ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے"۔ یہ شدتِ مرض میں حضور سرورِ عالم کا ایک خیال تھا۔ حضرت فاروقؓ نے یہ رائے ظاہر کی کہ حضورؐ کو اس حال میں تکلیف دینا مناسب نہیں ہے، اب تکمیلِ شریعت کا کوئی ایسا نکتہ باقی نہیں رہا جس میں قرآن کافی نہ ہو۔ بعض دوسرے صحابہ نے اِس رائے سے مطابقت نہ کی، جب شور زیادہ ہوا تو بعض نے کہا: "خود حضورؐ ہی سے دریافت کر لیا جائے"۔ ارشاد فرمایا: "مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو"۔

اسی روز تین وصیتیں اور فرمائیں :-

۱- کوئی مشرک عرب میں نہ رہے۔

۲- سفیروں اور وفود کی بدستور عزت و مہمانی کی جائے۔

اس وقت کاشانۂ نبوی کی ساری دولت صرف سات دینار تھے۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "انہیں غریبوں میں تقسیم کر دو، مجھے شرم آتی ہے کہ رسول اپنے اللہ سے ملے اور اس کے گھر میں دولتِ دنیا پڑی ہو" اس ارشاد پر گھر کا گھر صاف کر دیا گیا آخری رات کاشانۂ نبوی میں چراغ جلانے کے لئے تیل تک موجود نہیں تھا۔ یہ ایک پڑوسی عورت سے ادھار لیا گیا۔ گھر میں کچھ ہتھیار باقی تھے۔ انہیں مسلمانوں کو ہبہ کر دیا گیا۔ زرہ نبوی ۳۰ صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ چونکہ ضعف لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر تھا، اس واسطے بعض دردمندوں نے دوا پیش کی مگر انکار فرمایا۔ اسی وقت غشی کا دورہ آگیا۔ اور تیمارداروں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد جب اس کا احساس ہوا تو فرمایا: اب یہی دوا، اُن پلانے والوں کو بھی پلائی جائے یہ اس لئے کہ جس وجود باجود کی صحت کے لئے ایک دنیا گرفتہ دنیا دعائیں کر رہی تھی وہ اپنے اللہ کی دعوت کو اس طرح قبول کر چکا تھا کہ اب اس میں نہ دعا کی گنجائش باقی تھی اور نہ دوا کی۔

یومِ وفات

۹ ربیع الاوّل (دوشنبہ) کو مزاجِ اقدس میں قدرے سکون تھا۔ نمازِ صبح ادا کی جا رہی تھی۔ کہ حضورؐ نے مسجد اور حجرہ کا درمیانی پردہ سرکا دیا۔ اب چشمِ اقدس کے روبرو، نمازیوں کی صفیں مصروفِ رکوع و سجود تھیں۔ سرکارِ دو عالمؐ نے اس پاک نظارے کو جو حضورؐ کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا۔ بڑے اشتیاق سے ملاحظہ فرمایا۔ اور جوشِ مسرت سے ہنس پڑے، لوگوں کو خیال ہوا کہ مسجد میں تشریف

رسول اللہ کا منبر چند روز پہلے خالی ہو چکا تھا۔ آج رسول اللہ کا مصلیٰ بھی خالی ہو گیا۔ جب ابوبکرؓ صدیق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوئے، تو عالمِ یاس نے مسجدِ نبوی پر اپنے پردے تان دیئے، اور مسلمانوں کے دل بے اختیار رو دیئے اور خود صدیقِ اکبرؓ کے قدم بھی لڑکھڑا گئے، چونکہ رسول اللہ کے ارشاد کے ساتھ توفیقِ الٰہی شامل تھی۔ اس واسطے یہ کٹھن گھاٹی بھی گذر گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حیاتِ پاک نبوی میں اسی طرح سترہ نمازیں پڑھائیں۔

وفات کے دو روز پہلے

حضرت صدیق اکبرؓ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ حضورؐ کی طبیعت نے مسجد کی طرف رجوع کیا اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے کندھوں پر سہارا لیتے ہوئے جماعت میں تشریف لے آئے۔ نمازی نہایت بیقراری کے ساتھ حضورؐ کی طرف متوجہ ہوئے اور صدیق اکبرؓ بھی مصلّے سے پیچھے ہٹے مگر حضورؐ نے دستِ مبارک سے ارشاد فرمایا: پیچھے مت ہٹو۔ پھر حضرت صدیقؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ اور نماز ادا کرنے لگے۔ حضورؐ کی اقتدا صدیق اکبرؓ کرتے تھے، اور صدیقؓ کی اقتدا مسلمان کرتے تھے۔ یہ پاک نماز اسی طرح مکمل ہو گئی۔ تو حضورِ پاک حجرۂ عائشہ میں تشریف لے گئے۔

وفات کے ایک روز پہلے

مخدومِ انسانیت، جو قید و بند سے آزاد ہو رہے تھے، صبح بیدار ہوئے، تو پہلا کام یہ کیا کہ سب غلاموں کو آزاد فرمایا۔ یہ تعداد میں ۴۰ تھے۔ پھر اثاث البیت کی طرف توجہ فرمائی۔

بیٹی نے سرورِ کائنات کے لبوں سے اپنے کان لگا دیئے۔ آپ نے فرمایا: بیٹی میں آج دنیا کو چھوڑ رہا ہوں، فاطمہؓ بے اختیار رو دیں۔ پھر فرمایا:۔ فاطمہؓ! میرے اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھے ملو گی۔" فاطمہ بے اختیار ہنس دیں کہ یہ جدائی قلیل ہے۔

پیغمبرِ انسانیت کی حالت نازک ترین ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حال دیکھ کر فاطمہؓ نے کہنا شروع کیا۔ واکرب اباہ! ہائے میرے باپ کی تکلیف۔ ہائے میرے باپ کی تکلیف! فرمایا:۔ فاطمہؓ! آج کے بعد تمہارا باپ کبھی بے چین نہیں ہوگا۔ حسنؓ اور حسینؓ بہت غمگین ہو رہے تھے۔ انہیں پاس بلایا۔ دونوں کو چوما۔ پھر ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواجِ مطہرات کو طلب فرمایا اور انہیں نصیحتیں فرمائیں اسی دوران میں ارشاد فرماتے تھے:۔

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ — ان لوگوں کے ساتھ، جن پر خدا نے انعام کیا ہے۔

کبھی ارشاد فرماتے:۔

اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی — اے خداوند! بہترین رفیق۔

پھر حضرت علیؓ کو طلب فرمایا، آپ نے سر مبارک کو اپنی گود میں رکھ لیا، انہیں بھی نصیحت فرمائی، پھر ایک دم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔

اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ — نماز، نماز، لونڈی غلام اور پس ماندگان۔

لا رہے ہیں۔ نمازی بے اختیار رسے ہو گئے۔ نمازیں ٹوٹنے لگیں، اور حضرت صدیق رضؓ
نے جو امامت کر رہے تھے، پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے اشارہ مبارک سے سب کو
تسکین دی، اور چہرۂ انور کی ایک جھلک دکھا کر پھر حجرے کا پردہ ڈال دیا۔ اتباعِ
اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جلوۂ زیارت آخری تھا۔ اور شاید
یہ انتظام بھی خود قدرت کی طرف سے ہوا کہ رفیقانِ صلوٰۃ جمالِ جہاں آرا کی آخری
جھلک دیکھتے جائیں۔

۹ ربیع الاوّل کی حالت صبح ہی سے نہایت عجیب تھی۔ ایک سخت مرض بلند ہو رہا
تھا۔ اور دوسرا اسود رنگ غلبہ ہو رہا تھا۔ کائنات نبوی میں پے در پے غشی کے بادل
آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس پر چھا گئے، ایک بیہوشی گہری
جاتی تھی، تو دوسری بیہوشی آ رہی ہوتی تھی۔ انہیں تکلیفوں میں پیاری بیٹی کو یاد فرمایا۔
وہ مزاجِ اقدس کا یہ حال دیکھ کر سنبھل نہ سکیں۔ سینۂ مبارک سے لپٹ گئیں۔ اور رونے
لگیں، بیٹی کو اس طرح بیحال دیکھ کر ارشاد فرمایا:۔

"میری بیٹی! رو نہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ
رَاجِعُوْنَ کہنا، اسی ہر شخص کے لئے سامانِ تسکین موجود ہے، حضرت فاطمہؓ
نے پوچھا: کیا آپ کے لئے بھی؟ فرمایا: ہاں، اس میں میری بھی تسکین مضمر ہے۔

جس قدر رسول ا نکا درد و کرب بڑھ رہا تھا حضرت فاطمہؓ کا کلیجہ بھی کٹتا جا
رہا تھا حضرت رحمۃ اللہ میں نے ان کی اذیت کو محسوس کر کے کچھ کہنا چاہا تو پیاری

صحابہ کرام میں اضطراب عظیم

خبر وفات کے بعد مسلمانوں کے جگر کٹ گئے۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ چہرے بجھ گئے۔ آنکھیں خون بہانے لگیں، ارض وسما سے خوف آنے لگا۔ سورج تاریک ہو گیا، آنسو بہہ رہے تھے اور تھمتے نہیں تھے۔ کئی صحابہ حیران و سرگردان ہو کر آبادیوں سے نکل گئے۔ کوئی جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ جو بیٹھا تھا، بیٹھا رہ گیا، جو کھڑا تھا اس کو بیٹھ جانے کا یارا نہ ہوا۔ مسجد نبوی میں قیامت سے پہلے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے اور چپ چاپ حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں داخل ہو گئے، جہاں حضرت رحمۃ للعالمین کی میت پاک پڑی تھی۔ حضرت صدیقؓ نے چہرۂ اقدس سے کپڑا اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر چادر ڈھک دی اور رو کر کہا:۔

حضور پر میرے ماں باپ قربان! آپ کی زندگی بھی پاک تھی اور موت بھی پاک ہے۔ واللہ اب آپ پر دو موتیں وارد نہیں ہونگی۔ اللہ نے جو موت لکھ رکھی تھی، آج آپ نے اس کا ذائقہ چکھ لیا۔ اور اب اس کے بعد موت ابد تک آپ کا دامن نہ چھو سکے گی۔"

جب صدیق اکبرؓ مسجد نبوی میں تشریف لائے حضرت عمر فاروقؓ غائت بے بسی سے نڈھال کھڑے تھے اور بڑے درد و جوش سے یہ اعلان کر رہے تھے: "منافقین کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں، واللہ! آپ نے وفات نہیں پائی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰؑ کی طرح طلب کئے گئے ہیں جو چالیس روز غائب رہ کر

اب نزع کا وقت آپہنچا تھا، حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پانی کا پیالہ پاس رکھا تھا، اس میں ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ انور پر پھیر لیتے تھے۔ روئے اقدس کبھی سرخ ہو جاتا تھا، اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا، زبان مبارک آہستہ آہستہ ہل رہی تھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ:۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت تکلیف کے ساتھ ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضؓ ایک تازہ مسواک کے ساتھ آئے، تو حضور پاکؐ نے مسواک پر نظر جمادی۔ حضرت عائشہ رضؓ سمجھ گئیں کہ مسواک فرمائیں گے۔ ام المومنینؓ نے دانتوں میں نرم کر کے مسواک پیش کی، اور آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی، دہانِ مبارک پہلے ہی طہارت کا سرچشمہ تھا۔ اب مسواک کے بعد اور بھی مجلّا ہو گیا۔ تو یکلخت ہاتھ اونچا کیا۔ کہ گویا کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور پھر زبانِ قدس سے نکلا۔

بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی۔ اب اور کوئی نہیں، صرف اسی کی رفاقت منظور ہے بَلِ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔ بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی۔ تیسری آواز پر ہاتھ لٹک آئے۔ پتلی اوپر کو اٹھ گئی۔ اور روح شریف عالمِ قدس کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

یہ ربیع الاوّل ۱۱ھ دوشنبہ کا دن، اور چاشت کا وقت تھا۔ عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال اور ۴ دن ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہو بلائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزار بندوں کو جزا دے گا۔

اس آیت پاک کو سن کر تمام مسلمان چونک پڑے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اس سے پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی"۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سنکر میرے پاؤں ٹوٹ گئے۔ اور کھڑے رہنے کی قوت باقی نہیں رہی، میں زمین پر گر پڑا۔ اور مجھ کو یقین ہو گیا۔ کہ واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں"۔

حضرت فاطمہؓ غم سے نڈھال تھیں اور فرما رہی تھیں۔

"پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور فردوسِ بریں میں نزول فرمایا۔

آہ! وہ کون ہے، جو جبریلِ امین کو اس حادثۂ غم کی اطلاع کر دے"۔

"الٰہی! فاطمہ کی روح کو محمد مصطفےٰ کی روح کے پاس پہنچا دے، الٰہی مجھے دیدارِ رسول کی مسرت عطا فرما دے"۔

"الٰہی! مجھے اس مصیبت کے ثواب سے بہرہ ور کر دے۔ الٰہی! مجھے رسولِ امین کی شفاعت سے محروم نہ رکھنا"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دل و جان پر غم کی گھٹائیں چھا گئی تھیں۔ اور زبان اخلاقِ نبوی کی ترجمانی کر رہی تھی:۔

"حیف، وہ نبی جس نے تمول پر فقیری کو چن لیا، جس نے توانگری کو ٹھکرا دیا۔

واپس آگئے تھے، اُس وقت حضرت موسیٰؑ کی نسبت بھی یہی کہا جاتا تھا، کہ آپ وفات پاگئے ہیں۔ خدا کی قسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی، انہیں کی طرح دُنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو آپ پر وفات کا الزام لگاتے ہیں۔"

حضرت صدیق اکبرؓ نے عمر فاروقؓ کا کلام سُنا، تو فرمایا:۔ عمرؓ! سنبھلو، اور خاموش ہو جاؤ۔ جب عمر فاروقؓ اپنی وارفتگی میں بہے چلے گئے۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نہایت دانشمندی کے ساتھ ان سے الگ ہٹ گئے اور خود گفتگو شروع کر دی۔ جب حاضرین مسجد بھی حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو گئے، تو آپ نے پہلے حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا:۔

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا۔ وہ سمجھ لے کہ محمدؐ وفات پاگئے ہیں۔ اور جو شخص خدا کا پرستار ہے، وہ جان لے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے۔ اور وہ کبھی مریگا نہیں۔ اور یہ حقیقت خود قرآن پاک نے واضح کر دی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول۔ اِن سے پہلے رسول گذر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے؟ جو شخص برگشتہ

اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے:۔

"میرے مادر و پدر قربان! آپ کی وفات سے وہ دولت گم ہوئی ہے جو کسی دوسری موت سے گم نہیں ہوئی"

"آج نبوت، اخبار غیب اور نزول وحی کا سلسلہ کٹ گیا ہے"

"آپ کی وفات تمام انسانوں کے لئے یکساں مصیبت ہے"

"اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور گریہ و زاری سے منع نہ فرماتے تو ہم دل کھول کر آنسو بہاتے، لیکن پھر بھی یہ دکھ لاعلاج ہوتا اور یہ زخم لازوال رہتا"

"ہمارا درد بے درماں ہے، ہماری مصیبت بے دوا ہے"

"اے حضورؐ! میرے والدین آپ پر قربان، جب آپ بارگاہ الٰہی میں پہنچیں تو ہمارا ذکر فرمائیں، اور ہم لوگوں کو فراموش نہ کر دیں"

تین سوتی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، چونکہ وصیت پاک یہ تھی کہ آپ کی قبر ایسی جگہ نہ بنائی جائے کہ اہل عقیدت اسے سجدہ گاہ بنالیں، اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کے مطابق حجرۂ عائشہؓ میں قبر کھودی گئی۔ جہاں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے لحدی قبر کھودی، چونکہ زمین میں نمی تھی اس واسطے وہ بستر جس میں وفات پائی تھی، قبر میں بچھا دیا گیا۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو اہل ایمان نماز کے لئے ٹوٹ پڑے چونکہ جنازہ حجرہ کے اندر تھا۔ اس واسطے باری باری جماعتیں اندر جاتی تھیں اور نماز جنازہ ادا کرتی تھیں۔ اس نماز میں امام کوئی نہیں تھا، پہلے کنبہ والوں نے

اور مسکینی قبول کرلی"

"آہ! وہ دین پرور رسول، جو اُمتِ عاصی کے غم میں ایک پوری رات بھی آرام سے نہ سویا"

"آہ! وہ صاحبِ خلقِ عظیم، جو ہمیشہ آٹھوں پہر نفس سے جنگ آزما رہا"

"آہ! وہ اللہ کا پیغمبر، جس نے ممنوعات کو کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا"

"آہ! وہ رحمۃ للعالمین، جس کا بابِ فیض، فقیروں اور حاجتمندوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا جس کا رحیم دل اور پاک ضمیر کبھی دشمنوں کی ایذا رسانی سے غبار آلود نہ ہوا"

"جس کے موتی جیسے دانت توڑے گئے اور اس نے پھر بھی صبر کیا"

"جس کی پیشانی انور کو زخمی کیا گیا۔ اور اس نے پھر بھی دامنِ عفو ہاتھ سے نہ دیا"

آہ! کہ آج اسی وجودِ سرمدی سے ہماری دنیا خالی ہے۔

تجہیز و تکفین سہ شنبہ سے تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا۔ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید پردہ تان کر کھڑے ہو گئے، انصار نے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی کہ ہم رسول اللہ کی آخری خدمت گزاری میں اپنا حصہ طلب کرنے آئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری کو اندر بلایا، وہ پانی کا گھڑا بھر کر لائے تھے۔ حضرت علیؓ نے جسم مبارک سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے۔ اور حضرت اسامہ بن زید

صدیق اکبرؓ کو تفویض ہوئے۔ ان کے علاوہ سب سے بڑی نعمت ابدی دولت جو عرشِ عظیم سے بھی زیادہ بیش قیمت تھی۔ آپ اس پوری انسانیت کو عطا فرما گئے۔ یہ نعمتِ عظیم اللہ کی کتاب قرآن ہے۔

وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہٗ ان اعتصمتم بہٖ کتاب اللہ

اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لو گے، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ اللہ کی کتاب قرآن ہے

جنازہ پڑھا، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، مردوں نے الگ جنازہ پڑھا، عورتوں نے الگ اور بچّوں نے الگ۔ یہ سلسلہ رات اور دن برابر جاری رہا۔ اس لئے تدفین مبارک چہار شنبہ کی شب کو، یعنی رحلتِ پاک سے ۴۴ گھنٹے بعد عمل میں آئی۔ جسم مبارک کو حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے قبر میں اُتارا اور آخر اُس علم کے چاند، دین کے سورج اور اتقا کے گلزار کو اہلِ دنیا کی نگاہ سے اوجھل کر دیا گیا۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

متروکات۔ صاحب سیرۃ النبیؐ نے کتنا اچھا لکھا ہے: حضور پاک اپنی زندگی ہی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے۔ پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے۔ لا نورث ما ترکنا صدقہ:۔ ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑیں، وہ صدقہ ہے۔

عمرو بن حویرث سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام، نہ لونڈی، اور نہ کچھ اور۔ صرف اپنا سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین تھی، جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔

آثار متبرکہ چند یادگاریں صحابہ کے پاس باقی رہیں۔ حضرت ابوطلحہؓ کے پاس موئے مبارک تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس موئے مبارک کے علاوہ نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ تھا۔ ذوالفقار حضرت علیؓ کے پاس تھی۔ حضرت عائشہؓ کے پاس وہ کپڑے تھے۔ جن میں انتقال فرمایا۔ مہر منوّرہ اور عصائے مبارک حضرت

فرما رہے تھے۔ کہ حارث نے کہا:۔ یا امیر المومنین! آپ کھائیں۔ مجھے اس میں زہر کی آمیزش کا اشتباہ ہو رہا ہے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ مگر اسی روز سے دونوں صاحب مضمحل رہنے لگے۔ ۷ جمادی الاخری (دوشنبہ) ۱۳ھ کو آپ نے غسل فرمایا تھا، اسی روز سردی سے بخار ہو گیا۔ اور پھر نہیں سنبھلے، جب تک جسم پاک میں آخری توانائی باقی تھی، مسجد نبوی میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے۔ لیکن جب مرض نے غلبہ پا لیا تو حضرت عمرؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا:۔ آئندہ آپ نماز پڑھائیں۔

بعض صحابہ نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم کسی طبیب کو بلا کر آپ کو دکھا دیں۔ فرمایا طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ وہ پوچھنے لگے، اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ، وہ کہتا ہے، میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کا انتخاب

جب طبیعت زیادہ کمزور ہو گئی، تو آپ کو رسول اللہ کے جانشین کا فکر پیدا ہوا۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان کسی طرح فتنۂ اختلاف سے مامون رہ جائیں۔ اس لئے رائے مبارک یہ ہوئی کہ اہل الرائے صحابہ کے مشورہ سے خود ہی نامزدگی کر دیں۔ پہلے آپ نے عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو بلایا اور پوچھا۔ عمرؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ان کی نسبت جتنی بھی اچھی رائے قائم کر لیں۔ میرے نزدیک وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہیں، ہاں ان میں کسی قدر تشدد ضرور ہے۔ حضرت صدیقؓ نے جواب میں فرمایا:۔ اُنکی سختی

وفاتِ صدیقؓ

زندگی پر حسرت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ کی وفات کے بعد صرف دو برس ۳ مہینے اور گیارہ دن زندہ رہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے فراق کا صدمہ آپ سے برداشت نہیں ہوا، ہر روز لاغر اور نحیف ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سفرِ آخرت اختیار کر لیا۔ آپ نے وفاتِ نبوی کے بعد سب کو تسکین کا پیغام سنایا۔ مگر آپ کے دل کی بیقراری کم نہ ہوئی۔ ایک روز درخت کے سایہ میں ایک چڑیا کو اچھلتے اور پھدکتے دیکھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس سے فرمایا: اے چڑیا! تو کس قدر خوش نصیب ہے درختوں کے پھل کھاتی ہے، اور ٹھنڈی چھاؤں میں خوش رہتی ہے۔ پھر موت کے بعد تو وہاں جائیگی جہاں تجھ سے کچھ باز پرس نہ ہوگی۔ اے کاش۔ ابوبکر بھی اس قدر خوش نصیب ہوتا۔ کبھی فرماتے اے کاش میں درخت ہوتا کھا لیا جاتا۔ یا کاٹ دیا جاتا۔ کبھی فرماتے! اے کاش! میں سبزہ ہوتا اور چارپائے مجھے چر لیتے۔ ان ارشادات و درد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رحلتِ نبویؐ کے بعد صدیق اکبرؓ کے درد و گداز کی کیفیتیں کہاں تک پہنچ چکی تھیں۔

آغازِ علالت ابنِ شہاب فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ہدیہ میں گوشت آیا تھا، آپ حارث بن کلدہ کے ساتھ اس کو تناول

کو غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ "میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں"۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے فرمایا! جو کچھ لکھا ہے مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے ساری عبارت پڑھ دی تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا "خدا تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے"۔ (الفاروق) وصیت نامہ تیار ہو گیا تو حضرت عثمانؓ اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد نبوی میں بھیجا تاکہ مسلمانوں کو سنا دیں اور خود بھی بالاخانے پر تشریف لے گئے، شدتِ ضعف کے باعث اپنے قدموں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس واسطے ان کی بی بی حضرت اسماؓ دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں۔ نیچے آدمی جمع تھے، ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"کیا تم اس شخص کو قبول کرو گے جسے میں تم پر خلیفہ مقرر کروں۔ خدا کی قسم! میں نے غور و فکر میں ذرا برابر کمی نہیں کی۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے کسی قریب عزیز کو بھی تجویز نہیں کیا، میں عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا ہے اُسے تسلیم کر لو"۔

وصیت نامہ کے الفاظ یہ تھے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ابوبکر بن ابو قحافہ کا وصیت نامہ ہے، جو اس نے آخر وقت دنیا میں جبکہ وہ اس جہان سے کوچ کر رہا ہے۔ اور شروع وقت آخرت میں جبکہ وہ عالم بالا میں داخل ہو رہا ہے۔ قلمبند کرایا ہے۔ یہ ایسے وقت کی نصیحت ہے جس وقت کافر ایمان لے آتے ہیں، بدکار سنبھل جاتے ہیں، اور جھوٹے حق کے روبرو گردن

اس لئے تھی کہ میں نرم تھا، جب ان پر ذمہ داری پڑ جائیگی تو وہ از خود نرم ہو جائیں گے
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رخصت ہو گئے۔ تو حضرت عثمانؓ کو طلب فرمایا اور رائے
دریافت کی، حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا پھر بھی آپ
کی رائے کیا ہے؟ عرض کیا، میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا
ہے، اور ان کی مثل ہم لوگوں میں اور کوئی نہیں۔

حضرت سعید بن زیدؓ اور اسید بن حضیرؓ سے بھی استفسار فرمایا۔ حضرت اسیدؓ نے
کہا، عمرؓ کا باطن پاک ہے۔ وہ نیکوکاروں کے دوست اور بدوں کے دشمن ہیں، مجھے
ان سے زیادہ قوی اور مستعد شخص نظر نہیں آتا۔ حضرت سعید بن اکبرؓ نے اسی طرح یہ
سلسلہ جاری رکھا، اور مدینہ بھر میں یہ خبر عام ہو گئی کہ آپ حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین
مقرر فرما رہے ہیں۔ اس پر حضرت طلحہؓ آپ کے پاس آئے اور کہا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی
موجودگی میں عمرؓ کا ہم لوگوں سے کیا برتاؤ تھا؟ جب وہ خلیفہ ہو گئے، تو معلوم نہیں کیا
کریں؟ آپ بارگاہِ الٰہی میں چلے جا رہے ہیں، غور کر لیجئے، آپ اللہ کو اس کا کیا
جواب دیں گے؟ میں خدا سے کہونگا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو مقرر کیا
ہے جو سب سے اچھا تھا۔ پھر فرمایا! جو کچھ میں اب کہہ رہا ہوں، عمرؓ اس سے بھی
زیادہ اچھے ہیں۔

وصیت نامہ

تکمیل مشورت کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ کو طلب کیا اور فرمایا:
عہد نامہ خلافت لکھئے۔ ابھی چند سطریں لکھی گئی تھیں کہ آپ

تیرے بندے ہیں، ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا اللہ مسلمانوں کو
صالح حاکم عنایت فرما۔ عمرؓ کو خلفائے راشدین کی صف میں جگہ عطا کر
اور اس کی رعیت کو صلاحیت سے بہرہ مند فرما۔"

حضرت صدیقِ اکبرؓ کی ولایت و قبولیت کا اعجاز تھا کہ اس قدر اہم کٹھن اور پیچیدہ معاملہ اس قدر سہولت اور خوش اسلوبی سے طے ہو گیا پہلے اور پچھلے مسلمانوں کا یہ فتویٰ ہے کہ خلافت پر عمر فاروقؓ کا تقرر حضرت صدیقِ اکبرؓ کا اسلام اور اس اُمّت پر اس قدر بڑا احسان ہے کہ قیامت تک اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے چند سالوں میں جو کچھ کیا۔ اُس کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ اسلام کی طاقت فرشِ زمین پر بکھری پڑی تھی۔ آپ نے اُسے جمع کیا اور پھر عرشِ عظیم تک پہنچا دیا۔

حسابات دُنیا کی بیباقی

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے غابہ کی ۲۰ وسق کھجوریں مجھے ہبہ کر دی تھیں۔ جب مرض کا غلبہ ہونے لگا، تو ارشاد فرمایا! بیٹی میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں، تمہارے افلاس سے مجھے دُکھ ہوتا ہے، اور تمہاری خوشحالی سے مجھے راحت ملتی ہے، غابہ کی جو کھجوریں میں نے ہبہ کی تھیں اگر تم نے اُن پر قبضہ کر لیا ہو خیر، ورنہ میری موت کے بعد وہ کھجوریں میرا ترکہ ہونگی۔ تمہارے دوسرے دو بہن بھائی ہیں۔ ان کھجوروں کو از روئے قرآن ان سب میں تقسیم کر دینا۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا بابا بزرگ باپ! میں حکم والا کی تعمیل کرونگی اگر اس سے بہت زیادہ مال بھی ہوتا تو میں

جھکا دیتے ہیں۔ میں نے اپنے بعد عمر بن خطاب کو تم پر امیر مقرر کیا ہے۔ لہٰذا تم ان کا حکم سننا اور اطاعت کرنا۔ میں نے اس معاملے میں خدا کی، رسول کی، اسلام کی، خود اپنی اور آپ لوگوں کی خدمت کا پورا لحاظ رکھا ہے اور کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اب اگر عمرؓ عدل کریں گے تو اُن کے متعلق میرا علم اور حسنِ ظن یہی ہے۔ اگر وہ بدل جائیں تو ہر شخص اپنے کیے کا جوابدہ ہے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے، نیک نیتی سے کیا ہے اور غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔ جو لوگ ظلم کریں گے وہ اپنا انجام جلد دیکھ لیں گے وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

آخری وصایا اور دعا

اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو خلوت میں بلایا اور مناسب وصیتیں کیں۔ پھر اُن کے لئے بارگاہِ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے اور کہا:۔

"خداوند! میں نے یہ انتخاب اس لئے کیا ہے تاکہ مسلمانوں کی بھلائی ہو جائے مجھے یہ خوف تھا کہ وہ کہیں فتنۂ نفاق و فساد میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اے مالک! جو کچھ میں نے کہا ہے، تو اسے بہتر جانتا ہے۔ میرے غور و فکر نے یہی رائے قائم کی تھی۔ اور اس لئے میں نے ایک ایسے شخص کو والی مقرر کیا ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ مستقل مزاج ہے۔ اور سب سے زیادہ مسلمانوں کی بھلائی کا آرزومند ہے۔ اے اللہ! میں تیرے حکم سے اس دنیائے فانی کو چھوڑتا ہوں، اب تیرے بندے تیرے حوالے، وہ سب

محاذ جنگ کے تمام حالات تفصیل سے بیان کئے اور کہا کہ کسریٰ نے اپنی تازہ دم فوجیں محاذِ عراق پر بھیجی ہیں۔ حالات سُن کر اسی حال میں عمر فاروق رضؓ کو طلب کر کے ارشاد فرمایا: عمر! جو کچھ میں کہتا ہوں، اسے سُنو اور اس پر عمل کرو۔ مجھے امید ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائیگی۔ اگر دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے، اور اگر رات میں نکلے تو صبح سے پہلے مثنیٰ کے لئے کمک بھیج دینا۔ پھر فرمایا: عمر! کسی بھی مصیبت کی وجہ سے دینِ اسلام کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل کو کل پر ملتوی نہ کرنا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کون سی مصیبت ہو سکتی تھی۔ مگر تم نے دیکھا کہ اس روز بھی جو کچھ مجھے کرنا تھا۔ میں نے کر دیا۔ خدا کی قسم! اگر میں اس روز حکم خداوندی کی تعمیل سے غافل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ہم پر تباہی کی سزا مسلط کر دیتا۔ اور مدینہ کے گوشے گوشے میں فساد کی آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شام میں کامیابی عطا فرمائے تو پھر خالد کی فوجوں کو عراق کے محاذ پر بھیج دینا۔ اس لئے کہ وہ آزمودہ کار بھی ہیں اور عراق کے حالات سے باخبر بھی ہیں۔

عائشہ صدیقہ رضؓ کی دردمندیاں

انتقال کے روز دریافت فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس روز رحلت فرمائی تھی۔ لوگوں نے کہا: دوشنبہ (پیر) کے روز۔ ارشاد فرمایا، تو میری آرزو بھی یہی ہے کہ میں آج رخصت ہو جاؤں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے پورا کرے تو میری قبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرقد مبارک کے پاس بنائی جائے۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔

آپ کے ارشاد پر اسے چھوڑ دیتی۔

وفات سے کچھ عرصہ پہلے ارشاد فرمایا۔ بیت المال کے وظیفہ کا حساب کیا جائے جو میں نے آج تک وصول کیا ہے۔ حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کل ۶ ہزار درہم یا ۵ اسو روپیہ دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا! میری زمین فروخت کر کے یہ تمام رقم ادا کر دی جائے اسی وقت زمین فروخت کی گئی اور رسول امینؐ کے یارِ غار کے ایک ایک بال کو بیت المال کے بار سے سبکدوش کر دیا گیا۔ جب یہ ادائیگی ہو چکی تو ارشاد فرمایا:۔ تحقیقات کی جائے کہ خلافت قبول کرنے کے بعد میرے مال میں کیا کچھ اضافہ ہوا ہے معلوم ہوا کہ پہلا اضافہ ایک حبشی غلام کا ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواروں کو صیقل بھی کرتا ہے۔ دوسرا اضافہ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے۔ تیسرا اضافہ ایک سوا روپے کی چادر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔

رحلت مبارک کے بعد جب یہ سامان خلیفہ حضرت فاروقؓ کے سامنے آیا تو آپ رو پڑے اور کہا اے ابوبکرؓ تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے ہو۔

آخری سانس میں ادائے فرض

حضرت صدیق اکبرؓ کی حیات پاک کا آخری دن تھا کہ حضرت مثنیٰ نائب سپہ سالار عراق آپہنچے اس وقت حضرت امیر المومنین جان کنی کے آخری مراحل سے گزر رہے تھے مثنیٰ کی آمد معلوم ہوئی تو کسی خطرے کا احساس کر کے انہیں اسی وقت بلا بھیجا۔ انہوں نے

ارشاد فرمایا: یہ نہیں، اس طرح کہو جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَالِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (موت کی بے ہوشی کا صحیح وقت آگیا، یہ وہ ساعت ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ نزع کے وقت میں اپنے باپ کے سرہانے گئی تو یہ شعر پڑھا:۔

"جس کے آنسو ہمیشہ تھمے رہیں۔ ایک دن وہ بھی یہ جائیں گے۔ ہر سوار کی ایک منزل ہوتی ہے۔ اور ہر پہننے والے کو ایک کپڑا دیا جاتا ہے"۔

فرمایا: بیٹی! اس طرح نہیں، حق بات اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَالِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (موت کی بے ہوشی کا وقت آگیا یہ وہی وقت ہے جس سے تم بھاگتے تھے)

انتقال پاک

پاک زندگی کا خاتمہ اس کلام پر ہوا:۔ رَبِّ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ اے اللہ! مجھے مسلمان اٹھا اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔ جب روح اقدس نے پرواز کی تو ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ تاریخ تھی۔ دوشنبہ کا دن، عشا اور مغرب کا درمیانی وقت، عمر شریف ۶۳ سال تھی۔ ایام خلافت ۲ برس ۳ مہینے اور ۱۱ دن۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر جسم اطہر پہ پانی بہاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کے ساتھ قبر شریف

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا تین کپڑوں کا۔ ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھو لی جائیں اور ایک کپڑا بنا لیا جائے۔

حضرت صدیقہؓ نے دردمندانہ کہا: ابّا جان! ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔ ارشاد فرمایا:-

"بیٹی! نئے کپڑے کی مُردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے، میرے لئے یہی پھٹا پرانا ٹھیک ہے"

موت کی ساعتیں لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھیں حضرت عائشہ صدیقہؓ اس ڈوبتے ہوئے چاند کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ اور آنسو بہا رہی تھیں۔ غم آلود اور حسرت انگیز خیالات آنسوؤں کے ساتھ ساتھ دماغ کی پہنائی سے اُتر رہے تھے اور زبان سے بہ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ شعر پڑھا:-

"بہت سی نورانی صورتیں ہیں جن سے بادل بھی پانی مانگتے تھے۔ وہ یتیموں کے فریاد رس تھے اور بیواؤں کے پشت پناہ تھے۔

یہ سُنکر حضرت صدیقؓ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: میری بیٹی! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دوسرا شعر پڑھا:-

"قسم ہے تیری عمر کی جب موت کی ہچکی لگ جاتی ہے تو پھر کوئی زندہ مال کام نہیں دیتا"

شہادتِ فاروقؓ

بارِ خلافت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ پاک کے بعد دینِ توحید اور اُمّتِ مسلمہ کی پاسبانی کا کام ایک پہاڑ تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بوجھل۔ یہ ناقابلِ برداشت بوجھ اسلام کے دو مخلص ترین فرزندوں نے منتخب ہو کر اپنے کندھوں پر اُٹھالیا۔ ان میں پہلی شخصیت حضرت صدیقِ اکبرؓ کی تھی اور دوسری حضرت عمر فاروقؓ کی۔ حضرت صدیقؓ کی کیفیت یہ تھی۔ کہ اُنہیں ایک طرف فراقِ رسولؐ کا غم کھائے جاتا تھا۔ اور دوسری طرف اسلام اور امت کے افکار ان کے دل و دماغ کو گھلاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وفاتِ نبوی کے بعد آپ صرف سوا دو سال جی سکے۔ اس کے بعد یہ پورا بوجھ حضرت عمر فاروقؓ کے کندھوں پر آگیا۔ موصوف نے کس مشقت اور جان کنی سے اپنے فرائض خلافت ادا کئے۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے کیجئے۔

ہرمزان بڑی شان و شوکت کا سپہ سالار تھا۔ یزدگرد شہنشاہ ایران نے اسے اہواز اور فارس، دو صوبوں کی گورنری دے کر مسلمانوں کے مقابلے میں بھیجا تھا۔ جنگ ہوئی تو ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اُسے مدینہ میں صحیح و سلامت پہنچا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے، اسے منظور ہوگا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے ایرانی رئیس اس کے ہمرکاب تھے۔ جب یہ مدینہ کے قریب پہنچا

اس طرح کھودی گئی تھی۔ کہ آپ کا سر مبارک حضرت رحمۃ للعالمینؐ کے دوش پاک کے ساتھ رہے اور قبر دائیں کے تعویذ برابر برابر آجائیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے میت پاک کو آغوش لحد میں اتارا۔ اور ایک ایسی برگزیدہ شخصیت کو جو رسول دوجہاں کے بعد امت مسلمہ کی سب سے زیادہ مقبول، بزرگوار اور صالح شخصیت تھی۔ ہمیشہ کے لیے چشم جہاں سے اوجھل کر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ؛

اونٹ بھگائے جاتا تھا۔ حالات بیان کرتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ رکاب کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ جب شہر کے اندر مسلمانوں نے انہیں امیر المومنین کہہ کر پکارنا شروع کیا تو قاصد حیرت زدہ رہ گیا کہ آپ ہی رسول اللہ کے جانشین ہیں۔ اب قاصد کہتا تھا، امیر المومنین! آپ نے اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا، مگر آپ فرماتے تھے: یہ نہ کہو، اپنی اصل بات جاری رکھو۔ قاصد بیان کرتا گیا۔ اور آپ اسی طرح رکاب کے ساتھ ساتھ چل کر گھر تشریف لائے۔

جب خلافت کی ذمہ داری قبول فرما چکے تو مسلمانوں کو مسجدِ نبوی میں جمع کر کے ارشاد فرمایا: مسلمانو! مجھے تمہارے مال میں اُس قدر حق ہے جس قدر کہ یتیم کے سرپرست کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوا تو کچھ معاوضہ نہیں لونگا۔ اگر تہی دست ہو گیا تو صرف کھانے کا خرچ لونگا، پھر بھی مجھ سے برابر باز پرس کرتے رہنا کہ میں نہ تو بے جا طور پر جمع کروں اور نہ بے جا طور پر خرچ کر سکوں۔ بیماری میں شہد کی ضرورت ہوئی تو مسجدِ نبوی میں سب کو جمع کر کے درخواست کی: اگر آپ لوگ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔ لوگوں نے منظور کیا تو شہد لیا۔

رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ آنسوؤں کی روانی سے چہرۂ اقدس پر دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن شدادؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے، جب قرأت کرتے ہوئے آیۂ پاک اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ پر پہنچے تو اس زور

تو اُس نے تاج مرصّع سر پہ رکھا۔ دیبا کی قبا زیبِ بدن کی، کمر سے مرصّع تلوار لگائی اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ مسجدِ نبویؐ کے قریب پہنچکر پوچھا گیا، امیر المومنین کہاں ملیں گے؟ ایرانیوں کا خیال تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دُنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے۔ اس کا دربار بھی بڑے ساز و سامان کا ہوگا۔ ایک بدوی نے اشارہ سے بتایا۔ وہ ہیں امیر المومنین۔ حضرت عمرؓ اِس وقت صحنِ مسجد میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

جب یرموک میں ۳۰ ہزار رومی اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن کر مسلمانوں کے ساتھ لڑے تو حضرت عمرؓ کا حال کیا تھا؟ صحیح روایت ہے کہ جب تک یہ لڑائی ہوتی رہی حضرت عمرؓ رات کے وقت چین سے نہیں سوئے۔ پھر جب فتح کی خبر پہنچی، تو بے اختیار سجدے میں گر گئے اور آنسو بہانے لگے۔

جنگ قادسیہ میں شہنشاہ ایران نے ملک کی آخری طاقتیں میدانِ جنگ میں جھونک دی تھیں، جنگ کی ہلاخیزی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ صرف ایک دن کے اندر معرکۂ اغواث میں ۱۰ ہزار ایرانی اور ۲ ہزار مسلمان مقتول و مجروح ہوئے تھے۔ دورانِ جنگ میں حضرت عمرؓ کا حال یہ تھا کہ جب سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا۔ آپ ہر روز طلوعِ آفتاب کے ساتھ مدینہ سے نکل جاتے تھے اور کسی درخت کے نیچے اکیلے کھڑے قاصد کی راہ تکتے رہتے تھے، جب قاصد فتح کی خبر لایا تو آپ اس وقت بھی باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے، جب معلوم ہوا کہ سعدؓ کا قاصد ہے، تو آپ نے حالات پوچھنے شروع کر دیئے قاصد

ایران کے شہنشاہ بن چکے تھے۔ پھر بھی آپ سے فقر و فاقہ کی زندگی نہ چھٹی۔ لوگ اس کو محسوس کرتے تھے مگر آپ راضی برضا تھے۔ ایک دن آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے جرأت کر کے یہ کہہ ہی دیا: والد محترم! خدا نے آپ کو بڑا درجہ دیا ہے، آپ کو اچھے لباس اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیئے۔ ارشاد فرمایا: اے جانِ پدر! معلوم ہوتا ہے کہ تم رسول اللہ کے فقر و فاقہ کو بھول گئی ہو، خدا کی قسم! میں انہیں کے نقشِ قدم پہ چلونگا۔ تا آنکہ آخرت کی مسرت حاصل کروں۔ اس کے بعد آپ نے رسول اللہ کی تنگ زندگی کا ذکر چھیڑ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بے قرار ہو کر رونے لگیں۔

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان نے آپ کی دعوت کی۔ جب دسترخوان پر بعض اچھے کھانے آئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم رسول اللہ کا طریقہ چھوڑ دو گے تو ضرور بھٹک جاؤ گے۔

حضرت احوصؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے گوشت پیش کیا گیا جس میں گھی پڑا ہوا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا، اور فرمایا، یہ ایک سالن نہیں ہے یہ دو سالن ہیں۔ گھی الگ سالن ہے اور گوشت الگ سالن ہے۔ پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ دونوں سالنوں کو جمع کر کے کھایا جائے۔

صحابہ نے آپ کے جسم مبارک پہ کبھی نرم کپڑا نہیں دیکھا تھا۔ آپ کے کرتے میں بارہ بارہ پیوند ہوتے تھے۔ سر پہ پھٹا عمامہ ہوتا تھا۔ اور پاؤں میں پھٹی جوتی ہوتی تھی پھر جب اسی حال میں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے، تو مسلمان شرما جاتے تھے مگر

سے روئے کہ لوگ مضطرب ہو گئے۔

امام حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ تو اس قدر روئے کہ روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ بعض دفعہ لوگوں کو شبہ ہوتا تھا کہ فرطِ غم سے آپ کا دل چھوٹ جائیگا اور اب آپ بچیں گے نہیں۔ کئی دفعہ حالت اس قدر رقیق ہو جاتی تھی کہ کئی کئی دن تک لوگ بیمار پرسی کرنے آتے تھے۔

ایک صحابی اُن اعمالِ حسنہ کا ذکر کر رہے تھے، جو انہوں نے رسول اللہ کے ساتھ مل کر انجام دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ بے قرار ہو گئے اور ارشاد فرمایا! مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ اگر اجر نہ ملے تو عذاب ہی سے بچ جاؤں۔

ایک راستے پر سے گذر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا، وہیں آپ زمین کی طرف جھکے اور ایک تنکا اُٹھا لیا، پھر ارشاد فرمایا: اے کاش! میں اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا۔ اے کاش! میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔ ایک دوسرے موقعہ پہ فرمایا: اگر آسمان سے ندا آئے۔ کہ ایک آدمی کے سوا دُنیا کے تمام لوگ بخش دیئے گئے ہیں۔ تب بھی میرا خوف زائل نہیں ہوگا۔ میں سمجھوں گا۔ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہوں گا۔

ان خیالات نے آپ کی معاشی زندگی میں بڑی تکلیف پیدا کر دی تھی۔ آپ روم اور

گیا۔ کہنے لگے: امیرالمومنین! اگر آپ کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کریں تو اس سے امت کے مال میں کمی نہیں آسکتی۔" فرمایا: افسوس! کیا تم مجھے عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو؟ ربیع بن زیاد نے کہا: امیرالمومنین! آپ اپنے خداداد مرتبہ کی وجہ سے عیش و آرام کے زیادہ مستحق ہیں۔ اب آپ خفا ہوگئے اور فرمایا! میں قوم کا امین ہوں۔ کیا امانت میں خیانت جائز ہے؟"

اپنے وسیع کنبہ کے لئے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج میں کل ۸۰ درہم خرچ آگئے۔ اس پر بار بار افسوس کرتے تھے کہ مجھ سے فضول خرچی ہوگئی ہے۔ اس خیال سے کہ بیت المال پر بوجھ نہ پڑے۔ آپ اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں پر برابر پیوند لگاتے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، تو امام حسنؓ نے آپ کے کرتہ کے پیوند گنے۔ بارہ شمار میں آئے۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا پاجامہ دیکھا۔ اس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔

ایک دفعہ بحرین سے مالِ غنیمت میں مشک و عنبر آیا اور اسے تقسیم کرنے کیلئے آپ کو ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی۔ جو نہایت احتیاط کے ساتھ وزن کرسکے۔ آپ کی بیوی نے کہا: میں نہایت ہی خوش اسلوبی سے اس خدمت کو انجام دے سکتی ہوں۔ فرمایا! عاتکہ! میں تم سے یہ کام نہیں لونگا۔ مجھے ڈر ہے کہ مشک تمہاری انگلیوں میں لگ جائیگا۔ پھر تم اسے اپنے جسم پر ملو گی۔ اور جو بارہ اس کا میں ہوں گا۔

ایک دفعہ سر پہ چادر ڈال کر دوپہر میں گشت کے لئے نکلے۔ اسی وقت ایک غلام

آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں نے مل کر کہا: امیر المومنین! خدا نے آپ کو مرتبہ دیا، شہنشاہوں کے سفیر آپ کے پاس آتے ہیں، اب آپ کو اپنی معاشرت بدل دینی چاہیئے۔ فرمایا: افسوس ہے۔ تم دونوں رسول اللہ کی ازواج ہو کر مجھے دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو؟ اے عائشہؓ! تم رسول کی حالت کو بھول گئیں۔ جبکہ گھر میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ اسی کو آپ دن کے وقت بچھاتے تھے اور اسی کو رات اوڑھتے تھے۔ اے حفصہؓ! کیا تمہیں یاد نہیں، جب ایک رات تم نے رسول اللہ کے بستر کو دہرا کر کے بچھا دیا تو آپ رات بھر سوئے رہے، پھر صبح اٹھتے ہی حضورؐ نے ارشاد فرمایا، حفصہؓ! یہ تم نے کیا کیا کہ تم نے میرے بستر کو دہرا کر دیا۔ اور میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی آسائشوں سے کیا تعلق؟ تم نے فرش کی نرمی سے مجھے کیوں غافل کر دیا۔؟"

ایک دفعہ کرتہ پھٹ گیا تو آپ پیوند پر پیوند لگاتے تھے۔ حضرت حفصہؓ نے روکا تو فرمایا: اے حفصہؓ میں مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔

جب آپ منڈی کی تنبیہہ و ہدایت کے لئے بازار میں گشت فرماتے تھے، تو کوئی پرانی رسّی یا کھجور کی گٹھلی جو سامنے آجاتی، آپ اُٹھا لیتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تھے تاکہ لوگ پھر ان سے نفع اُٹھائیں۔

ایک دفعہ غلبہ بن فرقد آپ کے پاس آئے، دیکھا کہ اُبلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے سامنے رکھے ہیں اور انہیں زبردستی حلق کے نیچے اُتار رہے ہیں۔ اُن سے رہا نہ

درویش رعایا کی شاہراہ ترک نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی ہم نشینی یہاں کی لذتوں سے زیادہ مرغوب ہے۔

جو لوگ محاذ جنگ پر ہوتے، ان کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر انہیں بازار سے سودا سلف لا دیتے، اہلِ فوج کے خطوط آتے تو خود گھروں میں پھر کر پہنچاتے جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا، وہاں خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے۔

حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز صبح سویرے مجھے شک ہوا کہ سامنے کے جھونپڑے میں حضرت عمرؓ تشریف فرما ہیں۔ پھر خیال آیا کہ امیر المومنین کا یہاں کیا کام؟ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہیں اور حضرت عمرؓ روزانہ اس کی خبر گیری کے لئے آتے ہیں۔

یہ تھی حضرت فاروق اعظمؓ کی روزانہ زندگی، اللہ کا بے پناہ خوف، مسلمانوں کی بے پناہ خدمت، شب و روز کی بے پناہ مصروفیتیں، ان سب پر مستزاد یہ کہ ایک رات بھی پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے۔ اور ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جسمِ پاک روز بروز نحیل ہوتا گیا۔ قوت گھٹ گئی، جسم مبارک سوکھ گیا اور بڑھاپے سے بہت پہلے بڑھاپا محسوس کرنے لگے۔ ان ایام میں اکثر فرمایا کرتے "اگر کوئی دوسرا شخص بارِ خلافت اٹھا سکتا تو خلیفہ بننے کی بجائے مجھے یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ میری گردن اڑا دی جائے۔"

گدھے پر سوار جا رہا تھا، چونکہ تھک گئے تھے۔ اس لئے سواری کی خواہش ظاہر کی۔ غلام فوراً اُتر پڑا اور گدھا پیش کیا۔ فرمایا: میں تمہیں اس قدر تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم بدستور سوار رہو۔ میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ کے اندر داخل ہوئے۔ لوگ حیران ہوتے تھے کہ غلام آگے بیٹھا ہے اور امیر المومنین اس کے پیچھے سوار ہیں۔

انتظامِ سلطنت کے سلسلے میں کئی دفعہ سفر کئے مگر کبھی خیمہ ساتھ نہ لیا۔ ہمیشہ درخت کے سائے میں ٹھہرتے تھے اور فرشِ خاک پر اپنا بستر جما لیتے تھے، کبھی کسی درخت پر اپنا کمبل تان لیتے تھے اور دوپہر کاٹ لیتے تھے۔

۱۸ھ میں قحط پڑا۔ اس وقت حضرت عمر کی بے قراری قابلِ دید تھی۔ گوشت گھی اور تمام دوسری مرغوب غذائیں ترک فرما دیں۔ ایک دن اپنے بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو سخت خفا ہوئے۔ کہنے لگے! مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اور تم میوے کھاتے ہو۔

چونکہ گھی کی بجائے روغن زیتون کھانا شروع کر دیا تھا۔ اس واسطے ایک روز شکم مبارک میں قراقر ہوا۔ آپ نے پیٹ میں انگلی چبھو کر فرمایا۔ جب تک ملک میں قحط ہے۔ تمہیں یہی کچھ ملے گا۔

عکرمہ بن خالد کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک وفد نے مل کر عرض کیا کہ اگر آنجناب ذرا بہتر کھانا کھایا کریں تو اللہ تعالیٰ کے کام میں اور زیادہ قوی ہو جائیں، آپ نے پوچھا کیا یہ تمہاری ذاتی رائے ہے یا سب مسلمان اس کا تقاضا کرتے ہیں؟ عرض کیا گیا، یہ سب مسلمانوں کی متفقہ رائے ہے۔ فرمایا: میں تمہاری خیر خواہی کا مشکور ہوں، مگر میں اپنے

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک جو بالغ ہو، مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اِس سلسلہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں کوفہ میں فیروز نامی ایک بہت ہوشیار نوجوان ہے اور وہ نقاشی نجاری اور آہن گری میں بڑی مہارت رکھتا ہے اگر آپ اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت عطا کریں تو وہ مسلمانوں کے بہت کام آئیگا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو بھیجا دیا جائے۔ فیروز نے مدینہ پہنچکر شکایت کی کہ مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پہ بہت زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔

حضرت عمرؓ! کتنا ٹیکس ہے؟

فیروز:- دو درہم روزانہ (سات آنے)

حضرت عمرؓ:- تمہارا پیشہ کیا ہے؟

فیروز:- نجاری، نقاشی اور آہن گری۔

حضرت عمرؓ:- ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔

فیروز کے لئے یہ جواب ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ غصہ سے لبریز ہو گیا اور دانت پیستا باہر چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنین میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں چند روز کے بعد حضرت موصوفؓ نے اسے پھر یاد فرمایا۔ اور پوچھا: میں نے سنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو جو ہوا سے چلے؟ فیروز نے ترشروئی سے جواب دیا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی چکی تیار کرونگا جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔

۲۳ھ میں کرمان، سجستان، مکران اور اصفہان کے علاقے فتح ہوئے، گویا سلطنتِ اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہو گئیں۔ اسی سال آپ نے آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے ان پر چادر بچھائی۔ پھر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگے:۔

"خداوندا! اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی ہے۔ اب تو مجھے اس حالت میں اٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔"

سامانِ شہادت

کعب بن احبار نے کہا: میں تورات میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ شہید ہوں گے۔ آپ نے فرمایا! یہ کیسے ممکن ہے کہ عرب میں رہتے ہوئے شہید ہو جاؤں؟ پھر دعا فرمائی: اے خداوندا! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر۔ اور اپنے محبوب کے مدینہ کی حدود کے اندر پیغامِ اجل ارزانی فرما۔

ایک دن خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ آیا ہے اور مجھ پر ٹھونگیں مار رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اب میری موت کا زمانہ قریب آ گیا۔ میری قوم مطالبہ کر رہی ہے کہ میں اپنا ولی عہد مقرر کر دوں۔

یاد رکھو کہ میں موت کا مالک ہوں نہ دین اور خلافت کا۔ خدا تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کا خود محافظ ہے، وہ انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

بلایا گیا۔ اُس نے نبیذ اور دودھ پلایا، مگر یہ دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر آگئیں۔ اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی طاری ہوگئی۔ اور وہ سمجھے کہ اب حضرت عمرؓ جانبر نہ ہوسکیں گے۔

حضرت عمرؓ تنہا زخمی نہیں ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا مدینہ زخمی ہوگیا ہے، خلافتِ اسلامیہ زخمی ہوگئی ہے، اس سے بھی زیادہ یہ کہ خود اسلام پاک زخمی ہوگیا ہے۔ غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس آئے اور بے اختیار آپ کے فضائل و اوصاف بیان کرنے لگے۔ ارشاد فرمایا! اگر آج میرے پاس دُنیا بھر کا سونا بھی موجود ہوتا تو میں اسے خوفِ قیامت سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیتا۔

انتخابِ خلافت کی مہم

جب تک حضرت فاروقِ اعظمؓ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے تھے، انہیں نئے انتخاب کا تصور تک نہیں ہوا۔ وہ یوں سمجھتے تھے کہ شاید اسلام کا یہ سب سے بڑا خادم یونہی عرصہ دراز تک اُمّتِ رسولؐ کی حفاظت کرتا رہیگا۔ جب عمر فاروقؓ ناگہاں بستر پہ گر پڑے تو مسلمانوں کو اب پہلی دفعہ اپنی بے بسی اور اسلام کی تنہائی کا احساس ہوا۔ اب ہر مسلمان کو سب سے پہلا فکر یہی تھا کہ اب حضرت عمرؓ کے بعد اس اُمّت کا محافظ کون ہوگا؟ جتنے بھی لوگ خبر گیری کے لئے آتے تھے، یہی عرض کرتے تھے "امیر المومنین! آپ اپنا جانشین مقرر کرتے جایئے"۔ آپ مسلمانوں کا یہ تقاضا سُنتے تھے اور چُپ ہو جاتے تھے آخر ارشاد فرمایا!

فیروز رخصت ہوگیا تو آپ نے فرمایا: یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے روز ایک دو دھارا خنجر جس کا قبضہ وسط میں تھا، آستین میں چھپایا اور صبح سویرے مسجد کے گوشے میں آبیٹھا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں سیدھی کرنے پر مقرر تھے جب وہ صفیں سیدھی کر لیتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے اور امامت کرتے تھے۔ اس روز بھی اسی طرح ہوا۔ جب صفیں سیدھی ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے آگے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتہً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے۔ جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دُنیا نے اس دردناک ترین حالت میں خدا پرستی کا ایک عجیب نظارہ دیکھا، اس وقت جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قدموں پر گر رہے تھے، آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا۔ اور خود وہیں زخموں کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ سامنے پڑے تڑپ رہے تھے، فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن آخر وہ پکڑا گیا۔ اور اُسی وقت اُس نے خودکشی کر لی۔

حضرت فاروقؓ کو اُٹھا کر گھر لایا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا: فیروز۔ اس جواب سے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہوئی۔ اور زبانِ مبارک سے فرمایا: الحمدللہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں۔ اس لئے شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک طبیب

روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن وقاصؓ تین دن کے اندر جس شخص کو منتخب کر لیں، اسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

سفر آخرت کی تیاری

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہو گئے تو ارشاد فرمایا، عبداللہ حساب کرو، مجھ پہ قرض کتنا ہے؟ حساب لگا کر بتایا گیا کہ ۸۶ ہزار درہم۔ فرمایا۔ یہ قرض آل عمر کے مال سے ادا کیا جائے۔ اگر ان میں استطاعت نہ ہو، تو خاندانِ عدی سے امداد لی جائے۔ اگر پھر بھی ادا نہ ہو تو کل قریش سے لیا جائے۔ لیکن قریش کے علاوہ دوسروں کو تکلیف نہ دی جائے۔

حضرت عمرؓ کے غلام نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ پہ قرض کیونکر ہو سکتا تھا جب کہ ان کے ایک وارث نے اپنا حصہ مدانت ایک لاکھ میں بیچا؟ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہؓ نے خریدا اور قرض ادا ہو گیا۔

تصفیۂ قرض کے بعد بیٹے سے فرمایا: تم ابھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو، عمر چاہتا ہے کہ اسے اپنے دو رفیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کا یہ پیغام حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہنچایا۔ تو وہ بے حد دردمند ہوئیں اور فرمایا! میں نے یہ جگہ اپنے لئے محفوظ رکھی تھی مگر

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ موت کے بعد بھی یہ بوجھ میرے ہی کندھوں پر رہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری آرزو صرف یہی ہے کہ میں اس مسئلہ سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ میرے عذاب و ثواب کے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے انتخابِ خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور فرمایا تھا اور وہ اکثر اسی کو سوچا کرتے تھے۔ لوگوں نے متعدد مرتبہ ان کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا جاتا تو ارشاد فرماتے ہیں خلافت کے معاملے میں حیران ہوں، کچھ نہیں سوجھتا۔ بارہا کے غور و فکر کے بعد بھی ان کی نظر کسی ایک شخص پر جمتی نہیں تھی۔ بارہا ان کے منہ سے ایک بے ساختہ آہ نکل جاتی تھی۔ افسوس، مجھے اس بار کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔

ایک شخص نے کہا: آپ عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ فرمایا: اے شخص! خدا تجھے غارت کرے۔ واللہ، میں نے کبھی خدا سے یہ استدعا نہیں کی۔ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں۔ جس میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صحیح قابلیت موجود نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا: میں اپنے ساتھیوں کو خلافت کی حرص میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ ہاں، اگر آج سالم مولیٰ: ابو حذیفہ یا ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو میں ان کے متعلق کہہ سکتا تھا۔ اس ارشادِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ انتخابِ خلافت کے مسئلہ کو چھوئے بغیر اس دنیا کو عبور کر جائیں لیکن مسلمانوں کا اصرار

سے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر میں مستحق رحمت ہوں تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے میں جلدی کرنی چاہیئے۔ اگر مستحق عذاب ہوں تو ایک بُرے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد کندھوں سے اُتار پھینکا جائے اُسی قدر بہتر ہوگا۔ ان درد انگیز وصایا کے تھوڑا ہی عرصہ بعد فرشتۂ اجل سامنے آگیا اور آپ جاں بحق تسلیم ہوگئے۔ یہ ہفتہ کا دن تھا ۴۲ھ اس وقت عمر ۶۳ برس کی تھی حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اُتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ تر بن آفتاب کو آغوشِ انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسلمانوں کو حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت سے جو صدمہ ہوا، الفاظ سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہر مسلمان نے اپنی عقل کے مطابق انتہائی غم واندوہ کا اظہار کیا۔ حضرت ام ایمنؓ نے کہا جس روز عمرؓ شہید ہوئے، اسی روز اسلام کمزور پڑ گیا۔

حضرت ابو امامہؓ نے کہا، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اسلام کے مائی باپ تھے وہ گذر گئے تو اسلام یتیم ہوگیا۔ خدا کہتا ہے کہ وہ گئے نہیں بلکہ زندہ ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ تک زندہ رہیں گے ؛

آج میں عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ جب بیٹے نے آپ کو حضرت عائشہؓ کی منظوری کی اطلاع دی تو بے حد خوش ہوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر بصد خلوص و نیاز شکر ادا کرنے لگے۔

اب کرب و تکلیف کی حالت شروع ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ مہاجرین کا، انصار کا، اعراب کا، ان اہل عرب کا جو دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے ہیں اور اہل ذمہ کا۔ پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی اور اہل ذمہ کے متعلق ارشاد فرمایا: میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے، اور اہل ذمہ کے تمام معاہدات پورے کئے جائیں۔ اُن کے دشمنوں سے لڑا جائے اور انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

انتقال سے تقریباً اڑھائی گھنٹہ پہلے اپنے بیٹے عبداللہ سے ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائیگا۔ اگر بہتر نہیں ہوں تو بہتر کفن بے فائدہ ہے۔

پھر فرمایا: میرے لئے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے، اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق رحمت ہوں تو از خود میری قبر حد نگاہ تک وسیع ہو جائیگی، اگر مستحق رحمت نہیں ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دور نہیں کر سکتی۔ پھر فرمایا: میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، نہ مصنوعی صفات سے یاد کیا جائے۔ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے جلد

چچا ہاشم کو لڑائی کا چیلنج دے دیا۔

شرط یہ تھی کہ چچا (ہاشم) اور بھتیجا (امیہ) کے درمیان مناظرہ ہوگا۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن، مناظرے کا فیصلہ دے گا۔ اور فریقین اس کو منظور کر لیں گے طے پایا کہ ہارنے والا شخص جیتنے والے کو ۵۰ سیاہ چشم اونٹ دے گا۔ اور دس سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا۔

ہاشم اور اُمیہ میں مناظرہ ہوا۔ جج نے اُمیہ کی شکست کا اعلان کر دیا۔ اُمیہ نے پچاس اونٹ دیئے اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ بس اسی نقطے سے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ میں عناد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

عہدِ نبوی میں اموی اور ہاشمی

بعثتِ نبوی کے وقت چار آدمی بنی ہاشم کے ستون تھے۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب یعنی حضورؐ کے دادا۔ آپؐ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب۔ اُسی عہد میں بنی اُمیہ کی قیادت تین آدمیوں کے ہاتھ میں تھی۔ ابوسفیان، عفان اور حکم۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۰ سال میلادی میں دُنیا کے سامنے نبوّت کا دعوے کیا۔ آپ چونکہ بنی ہاشم میں سے تھے، اس لئے بنی اُمیہ کے افراد نے خاندانی رقابت کے باعث آپ کی مخالفت کی۔ اور اُن کے مدمقابل بنی ہاشم نے آپ کا ساتھ دیا۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو پالا تھا۔ آپ کے چچا ابوطالب

شہادتِ عثمانؓ

دیرینہ خاندانی رقابت

اسلامی تاریخ میں نفاق کی ایک لکیر ہے۔ یہ لکیر حضرت عثمانؓ کے خون سے کھینچی گئی۔ اور اسی میں اسلام کا پورا جاہ و جلال دفن ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی اصل بنیاد، بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ کی خاندانی رقابت ہے، جب تک اس رقابت کی تشریح نہ کی جائے، شہادت کے صحیح اسباب روشنی میں نہیں آسکتے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم اسی مسئلہ کی وضاحت پیش کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں، رسول اللہ کے والد ماجد کے پردادا عبد مناف کی شخصیت بہت اہم ہے، ان کے چار بیٹے تھے۔

عبد شمس　　ہاشم　　مطلب　　نوفل

بنی ہاشم اور بنی امیّہ کی رقابت کے معنی ہیں، ہاشم اور عبد شمس کی اولادوں کی نااتفاقی۔

ہاشم اگرچہ عبد شمس سے چھوٹا تھا، لیکن وہ اپنی لیاقت اور فیاضی سے قوم کا پیشوا بن گیا۔ اس نے قیصر روم اور نجاشی شاہ حبش سے تجارتی مراعات حاصل کیں اور اس کے بعد خانہ کعبہ کے انتظامات بھی اس کے متعلق ہو گئے۔ یہ سب چیزیں ہاشم کے بھتیجے (عبد شمس کے بیٹے) امیّہ کو بہت ناگوار گزریں اور ایک موقع پر اُس نے اپنے

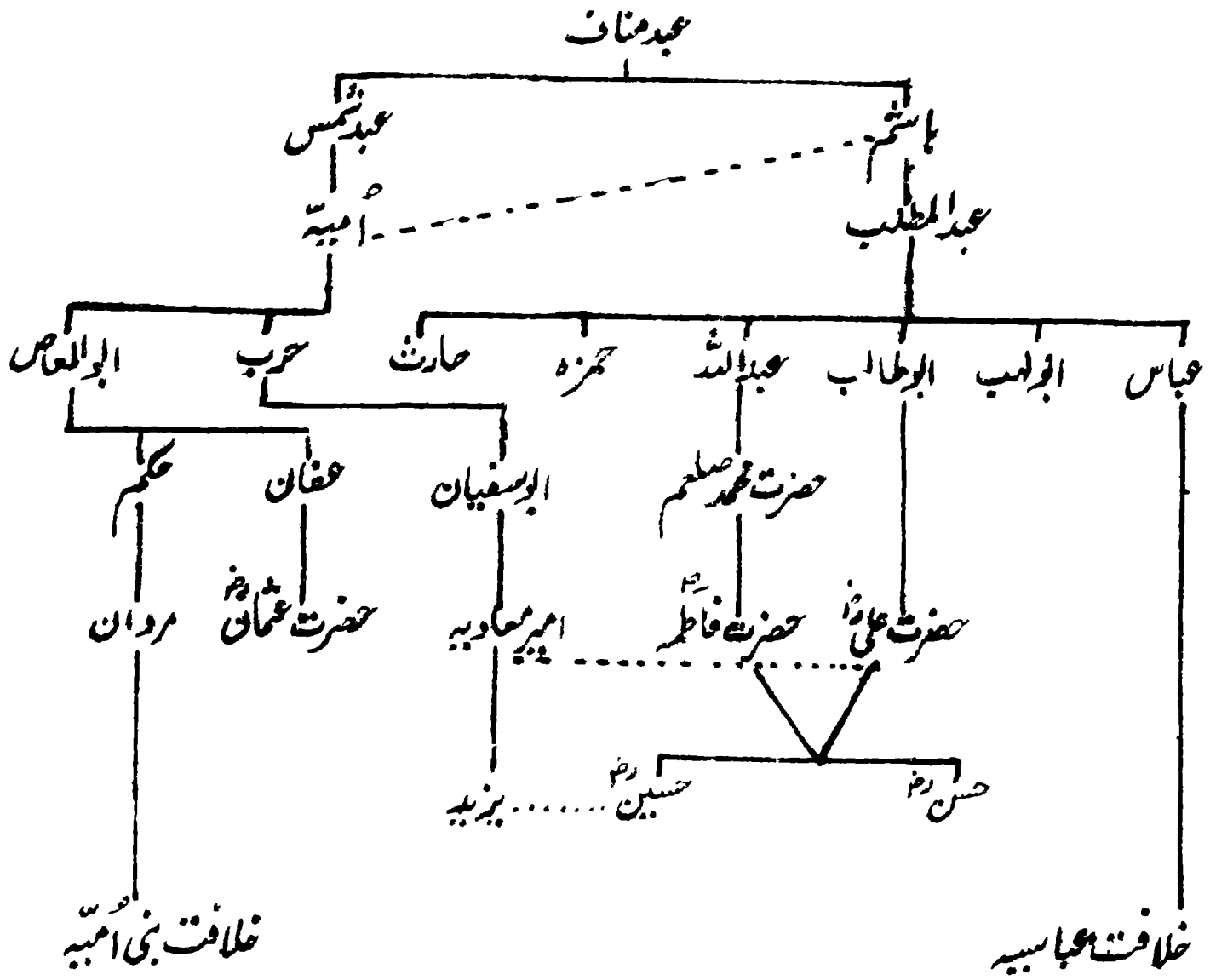

نقطہ دار خطوط بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کے نسلی تصادم کو ظاہر کرتے ہیں۔ اُمیّہ ہاشم سے ٹکرایا۔ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا۔ علی اور معاویہ میں جنگ ہوئی یزید نے امام حسین کو شہید کیا۔ مروان کی اولاد سے خلافت بنی امیّہ کا سلسلہ جاری ہوا جسے اولادِ عباس نے خلافتِ عباسیہ قائم کرکے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی مکی زندگی میں بنی ہاشم حضورؐ کے موافق تھے اور بنی اُمیّہ مخالف۔ اسی دوران میں عفان کے بیٹے حضرت عثمانؓ مشرف باسلام ہو گئے۔ ان کا بنی اُمیّہ کے مخالف کیمپ سے تن تنہا ہاشمی کیمپ میں چلے آنا بڑی جرأت و صداقت کی بات تھی۔ اور یہی ایک چیز حضرت عثمانؓ کی عظمت و نورانیت کی دلیل بھی ہے۔ اس کے

نے آپ کی کڑی حمایت کی تھی۔ آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی نے آپ پر ایمان لانے میں پیش قدمی کی تھی۔ آپ کے چچا حمزہؓ بھی بہت جلد آپ پر ایمان لے آئے اور قوتِ بازو ثابت ہوئے۔ آپ کے دوسرے چچا حضرت عباس اگرچہ دیر میں ایمان لائے، پھر بھی آپ کے کافی ہمدرد تھے۔ مختصر یہ کہ بنی ہاشم میں صرف ابولہب دشمن رہا اور باقی سب ہاشمی حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، جناب ابوطالبؓ حضرت علیؓ اور حضرت عقیلؓ وغیرہ ایمان لے آئے۔ یہ لوگ آپ کے چچا تھے یا آپ کے چچاؤں کی اولاد۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں بنی اُمیّہ کے تین سردار تھے۔ ابوسفیان، عفّان اور حکم۔ اُن کے بعد اِن کے بیٹے رئیسِ خاندان قرار پائے۔ ابوسفیان کے بیٹے امیر معاویہ، عفّان کے فرزند حضرت عثمانؓ اور حکم کے بیٹے مروان۔ ان سب میں عفّان کے بیٹے حضرت عثمانؓ نے پیش قدمی کی اور مسلمان ہو گئے۔ اور باقی سب لوگ عام طور پر پیغمبرِ اسلام کی مخالفت پر تلے رہے۔ یہاں یاد رکھیئے کہ امیر معاویہ، حضرت عثمان اور مروان، یہ تینوں اُمیّہ کے پرپوتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب انہیں تینوں حضرات کے باہمی تعلقات میں مضمر ہیں۔

شجرۂ نسب سے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کے تعلقات کی کڑیاں ملاحظہ ہوں:-

نے تمام صحابہ کو مسجد میں جمع کر کے مختصر سی تقریر کی اور اپنا فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں دے دیا اور سب سے پہلے اسی مسجد میں خود بیعت کی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی اور پھر تمام مخلوق بیعت کے لئے ٹوٹ پڑی اور بنی اُمیّہ کے ایک معزز فرزند حضرت عثمانؓ رسول اللہ کے جانشین ہو گئے۔ گو اس وقت یہ بات زبانوں پر نہ آئی ہو، تاہم دلوں نے یہ ضرور محسوس کیا، لیجئے رسولِ ہاشمی کی مسندِ خلافت پر بنی اُمیّہ کا ایک فرزند متمکن ہو گیا۔ یہ ۱۴ محرم ۲۴ھ کا واقعہ ہے۔

ناموافق اسباب کا ظہور

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال بڑے امن سے گذرے۔ لیکن آخری چھ سالوں میں دُنیا کا رنگ ہی پلٹ گیا۔ اِس انقلاب کی اصل وجہ صرف ایک تھی اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی وہ مبارک جماعت جس نے رسول اللہ کے چہرۂ مبارک کی روشنی میں زندگی اور اتحاد کے سبق سیکھے تھے۔ اِس دُنیا سے رخصت ہو رہی تھی۔ اور وہ نئی نسلیں جو اس باخدا جماعت کی وارث ہوئیں، تقویٰ اور اتحاد میں ان کی وارث نہ تھیں۔ رسول اللہ کے صحابہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی۔ کہ ان کا جینا اور مرنا محض اللہ کیلئے تھا۔ چونکہ وہ غرض سے خالی تھے، اس لئے وہ نفاق و اختلاف سے بھی خالی تھے۔ لیکن اب جو نئی نسلیں میدان میں آئیں، وہ اِس درجہ بے نفس اور بے غرض نہ تھیں اور اسی واسطے ان میں اختلاف و انتشار کا رنگ بھی نمایاں تھا اور اقتدار و مفاد کی طلب بھی موجود تھی۔

دلوں پر توحید کا رنگ جس قدر زیادہ ہوگا، وہ اسی قدر کھوٹ، خیانت، غرض اور

کچھ عرصہ کے بعد بنی اُمیّہ کے دوسرے افراد بھی مسلمان ہو گئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفسوں کا اس طرح تزکیہ فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ کی دیرینہ رقابت محو ہو کر رہ گئی۔ اب اموی اور ہاشمی بھائی بھائی تھے۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اسلام کی خدمات انجام دے رہے تھے۔

حضرت عثمان کا انتخاب خلافت

پیغمبر انسانیت کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے اور یہ وقت بڑے امن سے گذرا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے اور آپ کا زمانہ بھی بڑی کامیابی سے گذرا۔ ۲۳ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے انتقال فرمایا اور وصیت کی کہ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد وقاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ یہ چھ آدمی تین دن کے اندر اندر کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ پورے دو دن بحث میں گذر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ ہم میں سے تین آدمی ایک ایک شخص کے حق میں دستبردار ہو جائیں تاکہ چھ کی بحث تین میں محدود ہو جائے اس پر حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں، اور حضرت سعد وقاصؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا میں امیدواری سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اب بحث صرف علیؓ اور عثمانؓ میں رہ گئی۔ چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایثار کیا تھا اس لئے ان دونوں نے اپنا آخری فیصلہ ان کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

کے ماتحت اپنے آپ کو اہلِ عرب کے مساوی کہتے تھے۔ انہیں عربوں کی تنقیص گوارا نہ تھی۔
مختصر یہ کہ بنی ہاشم کا دل بنی اُمیّہ سے متحد نہ تھا۔ عام عرب قریش کے اقتدار سے جلتے تھے۔ تمام عجمی عربوں کے اقتدار پر حسد کرتے تھے۔ یعنی حکومت کے اعلےٰ درمیانی اور ادنےٰ تینوں طبقوں میں حسبِ مدارج نفاق و اختلاف اور حسد و رقابت نے اپنی تخم ریزیاں شروع کر دی تھیں۔

غیر مطمئن عناصر کی تنظیم

سب سے پہلے کوفہ میں انقلابی اثرات ظاہر ہوئے۔ اور اشتر نخعی نے لوگوں میں یہ خیال پھیلایا۔ کہ از روئے اسلام کوئی حق نہیں ہے۔ کہ چند قریش تمام دنیائے اسلام کو اپنا غلام بنائے رکھیں۔ چونکہ عام مسلمانوں نے ممالک فتح کئے ہیں۔ اس لئے وہ سب امارت کے مستحق ہیں۔ غیر عربی عناصر نے اشتر نخعی کی تلقین کو بڑی تیزی سے قبول کیا۔ ایک سازشی پارٹی بنالی گئی۔ اور سعید بن عاص گورنر کوفہ کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیا۔ گورنر نے اپنے بچاؤ کے لئے حضرت عثمانؓ کی منظوری لے کر اس انقلابی پارٹی کے دس لیڈروں کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بصرہ میں بھی ایک انقلابی پارٹی پیدا ہو گئی۔ کوفہ اور بصرہ میں جو کام اُشتر نخعی نے کیا تھا۔ عبداللہ بن سبا مصر میں اس کا بیڑا اُٹھا چکا تھا۔ جب عبداللہ بن سبا کو جو ایک یہودی النسل نومسلم تھا۔ بصرہ اور کوفہ کی سازشی پارٹیوں کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ بھی

نفاق سے پاک ہوں گے۔ اور وہ دل جو غرض اور نفاق سے پاک ہوں گے بے تکلف متحد بھی ہو جائیں گے۔ لیکن جب صحابہ کی اولادوں میں توحید کا جذبہ گھٹا، تو غرضیں بڑھ گئیں اور جس قدر غرضیں بڑھیں، اسی قدر دلوں میں تفاوت پیدا ہو گیا اور اسی تفاوت قلوب کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں خلافتِ نبوی اور امارت اسلامی کے قلعے پارہ پارہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نفاق کی تین تحریکیں پیدا ہوئیں :-

۱- بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم میں نفاق ہاشمی لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ کا وارث سمجھتے تھے اور خاندانی رقابت کے ماتحت یہ صورت حالات انہیں کچھ زیادہ پسندیدہ معلوم نہ ہوتی تھی کہ بنی اُمیّہ کے سردار کا بیٹا رسول ہاشمی کے دین و حکومت کا امام ہو۔

۲- قریش اور غیر قریش میں نفاق مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی غیر قریش قبائل نے فتوحاتِ اسلامی میں قریش کے دوش بدوش کام کیا تھا۔ انہیں یہ گوارا نہ تھا۔ کہ افسری کا تاج صرف قریش ہی پہنے رہیں۔

۳- عرب اور غیر عرب میں نفاق اسلام کی شعاعیں روم، شام اور مصر تک پھیل چکی تھیں یہودی، مجوسی، عیسائی ہزارہا کی تعداد میں حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور مساواتِ اسلامی کے نظریہ

چور چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ پیکرِ حلم حضرت عثمانؓ کے صبر و تحمل کی داد دیجئے۔ کہ آپ نے مفسدین سے کوئی باز پرس نہ کی۔ جو کچھ گذر چکا تھا اُسے برداشت کر لیا اور سب کو معاف کر دیا۔

شورش پسندوں کے الزامات

مفسدین کی طرف سے حضرت عثمانؓ پر پانچ اہم الزامات لگائے گئے۔

۱۔ آپ نے اکابر صحابہ کی بجائے اپنے ناتجربہ کار رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔

۲۔ آپ اپنے عزیزوں پر بیت المال کا روپیہ بے جا صرف کرتے ہیں۔

۳۔ آپ نے زید بن ثابت کے لکھے ہوئے قرآن کے سوا باقی سب صحیفوں کو جلا دیا ہے۔

۴۔ آپ نے بعض صحابہ کی تذلیل کی ہے۔ اور نئی نئی بدعتیں اختیار کر لی ہیں۔

۵۔ مصری وفد کے ساتھ صریح بدعہدی کی ہے۔

یہ تمام الزامات قطعی طور پر سازشیوں کی شرارت کا نتیجہ تھے۔ بیا اس طرح کہ :-

۱۔ صحابہ کی معزولی انتظامی اسباب سے متعلق تھی۔

۲۔ عزیزوں کو آپ نے جو کچھ دیا تھا۔ اپنے ذاتی مال سے دیا تھا۔

خوش ہوا۔ اور اُس نے بہت ہی تھوڑی محنت سے ان تمام پارٹیوں کو منظم کر کے اس امر پہ آمادہ کر لیا۔ کہ حضرت عثمانؓ کو مسندِ خلافت سے معزول کر کے بنی اُمیہ کی طاقت کو توڑ دیا جائے اس نے اپنے مبلغ ہر طرف پھیلا دیئے۔ یہ لوگ دینداری اور مولویت کا لباس پہن کر پہلے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرتے تھے۔ پھر انہیں حضرت عثمانؓ اور اُن کے گورنروں کے خلاف شکایات سناتے تھے۔ اور خیر خواہی اسلام کے پردے میں خلیفۃ المسلمین سے بدگمان کر دیتے تھے۔

انقلابی پروپیگنڈا کی کامیابی کا اندازہ اس سے کیجئے۔ کہ محمد بن ابوحذیفہ اور محمدؐ بن ابوبکر صدیق جیسے آدمی بھی تحریکِ انقلاب میں شامل ہو گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود مدینہ منورہ کا حال بھی بگڑنے لگا۔ ایک دن حضرت عثمان خطبہ جمعہ پہ کھڑے ہوئے۔ آپ حمد و ثنا کر رہے تھے کہ مجمع میں ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ عثمان! کتاب اللہ کی پیروی کر۔ حضرت عثمانؓ نے نہایت نرمی سے فرمایا۔ آپ بیٹھ جائیے۔ مگر اثنائے خطبہ میں یہ دوسری بار کھڑا ہو گیا۔ اور پہلے جملے کا اعادہ کیا۔ حضرت موصوف نے پھر اُسے بیٹھ جانے کی ہدایت فرمائی۔ بیٹھا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ مگر پیکرِ حلم عثمانؓ اب بھی بے طیش تھے۔ آپ نے پھر نرمی اور محبت سے فرمایا۔ آپ بیٹھ جائیے۔ اور خطبہ سُنیئے۔ چونکہ یہ سب کچھ ایک سازش کے ماتحت تھا۔ اس واسطے دفعتہً اس کے بہت سے ساتھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عین خطبہ ہی میں خلیفہ رسول کو گھیر لیا۔ اور اس قدر پتھر برسائے۔ کہ نائب رسول زخموں سے

گورنر کانفرنس کے بعد حضرت عثمانؓ نے تمام معاملات پر خود غور کیا اور رفع شورش کیلئے تین اقدام کئے۔

۱۔ گورنر کوفہ سعد بن العاص کو معزول کر کے ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کر دیا۔

۲۔ تمام صوبوں میں اصلاح حال کے لئے تحقیقاتی وفد روانہ کئے۔

۳۔ اعلان کیا گیا کہ حج کے موقع پر تمام لوگ اپنی شکایات پیش کریں، تدارک کیا جائے گا۔

مُفسدین کی مدینہ پر یورش

مفسدین کو اصلاح منظور نہ تھی۔ اِس لئے انہوں نے ٹھیک اس وقت جبکہ حضرت عثمانؓ اصلاح کی کوشش فرما رہے تھے۔ الگ الگ پارٹیاں بنا لیں اور اپنے آپ کو حاجی ظاہر کر کے مدینے کی طرف کوچ کر دیا۔ جب یہ لوگ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں ایک حملہ آور فوج کی شکل اختیار کر کے طرح اقامت ڈال دی جب حضرت عثمانؓ کو اس مظاہرے کا علم ہوا تو آپ نے حضرت طلحہؓ حضرت زبیر، حضرت سعد وقاص اور حضرت علی کو باری باری ان کے پاس بھیجا اور ترغیب دی کہ تمام مظاہرین اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ تمام جائز مطالبات جلد پورے کر دیئے جائیں گے۔ تمام معاملات پر مسجد میں غور کیا گیا۔ طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نہایت سخت الفاظ میں حضرت عثمانؓ سے گفتگو کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف سے

۳۔ آپ نے جس صحیفہ کو باقی رکھا۔ وہ خود حضرت صدیق اکبرؓ نے تیار کرایا تھا۔ اور اس سے زیادہ مکمل و مستند صحیفہ اور کون ہو سکتا تھا۔

۴۔ جن بدعات کا حوالہ دیا گیا۔ ان کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے۔ اس لئے انہیں بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

۵۔ مصری وفد کے حالات ابھی بیان کئے جائیں گے۔

گورنروں کی کانفرنس

جب حضرت عثمانؓ کو ان شورشوں کا علم ہوا تو انہوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کو جمع کر کے رائے طلب کی۔ گورنروں کی اس کانفرنس میں حضرت موصوف کو حسب ذیل مشورے دیئے گئے۔

عبداللہ بن عامر:۔ کسی ملک پر فوج کشی کر کے لوگوں کو جہاد میں مصروف کر دینا چاہیئے۔ شورش از خود رفتہ ہو جائے گی۔

امیر معاویہ۔ ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے کو خود سنبھالے۔

عبداللہ بن سعد۔ روپیہ دے کر شورش پسندوں کی حرص پوری کر دی جائے۔

عمرو بن عاص۔ آپ عدل کریں۔ ورنہ مسند خالی کر دیں۔ لیکن جب کانفرنس منتشر ہو گئی تو عمرو بن عاص نے معذرت کی اور کہا کہ میں نے مفسدین کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے وہ رائے پیش کی تھی۔ اب میں ان کی خفیہ کارروائیوں سے آپ کو مطلع کرتا رہونگا

اس کی تلاشی لی گئی۔ تو اس کے خشک مشکیزہ کے اندر سے ایک خط ملا جس میں حضرت عثمانؓ کی مُہر کے ساتھ یہ لکھا گیا تھا۔ کہ محمد بن ابوبکر اور اُن کے فلاں فلاں ساتھی جس وقت بھی تمہارے پاس پہنچیں۔ انہیں قتل کر دیا جائے اور ہر شکایت کرنے والے کو تا حکمِ ثانی قید رکھا جائے۔

مفسدین نے کہا:۔ حضرت عثمانؓ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اب ہم ضرور اِن سے انتقام لیں گے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ اور بہت سے صحابہ جمع ہوئے۔ اور مفسدین نے "حضرت عثمانؓ کا خط" اُن کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت عثمان بھی یہاں تشریف لے آئے۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔

حضرت علیؓ۔ امیر المومنین یہ غلام آپ کا ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ ہاں۔

حضرت علیؓ۔ امیر المومنین یہ اونٹنی آپ کی ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ ہاں میری ہے۔

حضرت علیؓ۔ امیر المومنین اس خط پہ مُہر آپ کی ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ ہاں یہ میری مُہر ہے۔

حضرت علیؓ۔ کیا یہ خط آپ نے لکھا ہے؟

حضرت عثمانؓ۔ میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ حلف کرتا ہوں کہ یہ خط میں نے نہیں لکھا۔ اور نہ میں نے کسی کو اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ اور نہ مجھے اس کے

پیغام آیا کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو جس پر صحابہ کے قتل کا الزام ہے۔ کیوں مصر کی امارت سے الگ نہیں کر دیتے؟ جب حضرت علیؓ نے بھی اس خیال کی تائید فرمائی تو ارشاد فرمایا یہ لوگ اپنا امیر خود تجویز کر لیں۔ میں اُس کو عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ مقرر کر دونگا۔ لوگوں نے محمد بن ابوبکر کو منتخب کیا تو آپ نے ان کی تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کی علیحدگی کا فرمان لکھ دیا۔ یہ فرمان لے کر محمد بن ابوبکر بہت سے مہاجرین و انصار کے ساتھ تشریف لے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد مدینہ میں ناگہاں شور اُٹھا کہ مفسدین کی جماعتیں پھر مدینہ میں آگھسی ہیں۔ اور یورش پیدا کر رہی ہیں بشور سن کر تمام مسلمان اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ دیکھا کہ مدینہ کی تمام گلی کوچوں میں انتظام انتقام کا شور برپا ہے۔ جب مفسدین سے ان کی اس حیرت انگیز واپسی کا سبب دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ پر ایسا عجیب الزام لگایا۔ کہ تمام لوگ دم بخود رہ گئے۔ اُنہوں نے کہا کہ محمد بن ابوبکر تنیسری منزل میں تھے۔ کہ وہاں سے خلافت کا ایک شتر سوار گزرا۔ جو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مصر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ محمد بن ابوبکر کے رفیقوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ شتر سوار نے کہا۔ کہ میں امیر المومنین کا غلام ہوں۔ اور حاکم مصر کے پاس جا رہا ہوں، لوگوں نے محمد بن ابوبکر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ ہیں حاکم مصر شتر سوار نے کہا۔ یہ نہیں ہیں اور اپنے راستے پر چل دیا۔ لوگوں نے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ اور جب

محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ کوئی شخص کھانا یا پانی اندر نہیں لے جا سکتا تھا۔ بے احترامی اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ بڑے بڑے اکابر صحابہ کی بھی شنوائی نہ تھی ایک دفعہ ام المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ خود کھانا اُٹھا کر لے گئیں۔ تو مفسدین نے حرم رسول کو بھی بے ادبی سے واپس کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا۔ مگر باغیوں نے انہیں بھی داخلہ کی اجازت نہ دی۔ حضرت علیؓ نے اپنا عمامہ اُتار کر حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجدیا تھا۔ کہ آپ کو نزاکت حال کا علم ہو جائے۔ اور خود ننگے سر واپس تشریف لے گئے۔

مدینہ کے تمام معاملات کی باگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ مگر اس ہنگامۂ کرب و فساد میں ان اکابر کی آواز بھی بے اثر ہو گئی۔ حرم سرائے عثمانی کے محصورین کی تکالیف جب حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو حضرت عثمانؓ خود بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا! کیا تم میں علیؓ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا! نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا اس مجمع میں سعدؓ موجود ہیں؟ جواب دیا گیا۔ وہ بھی نہیں۔ اب آپ رُک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے۔ جو حضرت علیؓ سے جا کر یہ کہدے کہ وہ ہم پیاسوں کو پانی پلا دیں۔ ایک دردمند آدمی نے نائب رسول کے یہ دردمندانہ الفاظ سُنے تو وہ بے تابانہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے پانی کے تین مشکیزے اس وقت بھجوائے مگر یہ پانی بھی اتنی مشکل سے پہنچا کہ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کے چند غلام زخمی ہو گئے، اب مدینہ میں یہ خبر

متعلق کچھ معلوم ہے۔

حضرت علیؓ۔ تعجب ہے کہ غلام آپ کا، اونٹنی آپ کی، خط پر مُہر آپ کی اور پھر بھی آپ کو خط کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔؟

حضرت عثمانؓ۔ واللہ۔ نہ میں نے اس خط کو لکھا۔ نہ کسی سے لکھوایا۔ نہ میں نے غلام کو دیا کہ وہ اسے مصر لے جائے۔

اب خط دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ مروان کا رسم الخط ہے۔ اس وقت مروان حضرت عثمانؓ کے مکان میں موجود تھا۔ لوگوں نے کہا۔ مروان کو ہمارے سپرد کر دیجئے۔ مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ اس پر ایک انتشار رونما ہوا۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ تھی۔ کہ حضرت عثمانؓ کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتے۔ مگر بعض کہتے تھے کہ آپ مروان کو ہمارے حوالے کیوں نہیں کرتے۔ تاکہ ہم تحقیق کر لیں۔ اگر مروان کی غلطی ثابت ہوئی تو ہم اُسے سزا دیں گے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کو شبہ یہ تھا۔ کہ اگر مروان کو مفسدین کے سپرد کیا گیا تو وہ اُسے قتل کر دیں گے۔ اس لئے آپ نے مروان کی سپردگی سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد مفسدین نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، جب تک مجھ میں سانس باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے اپنے ہاتھ سے نہیں اُتاروں گا۔ اور رسول اللہ کی وصیت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحے تک صبر سے کام لوں گا

تکلیفیں اُٹھاتے تھے۔ وہ کون تھا۔ کہ جس نے رسول کے حکم سے اِس کنوئیں کو خریدا اور عام مسلمانوں پہ وقف کر دیا۔ ؟

آوازیں آئیں۔ آپ نے وقف فرمایا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: آج اسی کنوئیں کے پانی سے تم مجھے روک رہے ہو۔

پھر فرمایا:۔ لشکرِ عُسرت کا ساز و سامان کس نے آراستہ کیا تھا؟

لوگوں نے کہا: آپ نے۔

پھر فرمایا:۔ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں اور پوچھتا ہوں۔ کہ تم میں سے کوئی ہے جو اللہ کے لئے حق کی تصدیق کرے اور یہ بتائے۔ کہ جب ایک دفعہ رسول اللہ اُحد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ تو آپ نے اس پہاڑ کو ٹھکرا دیا۔ اور فرمایا۔ اے اُحد! ٹھہر جا کہ اس وقت تیری پیٹھ پہ ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔ اور میں اس وقت رسول اللہ کے ساتھ تھا؟

آوازیں آئیں:۔ سچ فرمایا۔

پھر فرمایا:۔ اے لوگو! خدا کے لئے مجھے بتاؤ۔ کہ جب رسول اللہ نے مجھے حدیبیہ کے مقام پہ اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا تو کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ رسول اللہ نے اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف سے خود اپنی بیعت کی تھی؟

مجمع میں سے آوازیں آئیں۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔

آڑی کہ اگر مردان سپرد نہ کیا گیا۔ تو حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ سُنکر حضرت علیؓ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے فرمایا کہ تم دونوں امیر المومنین کے دروازے پہ ننگی تلواریں لئے کھڑے رہو۔ اور کسی شخص کو اندر داخل نہ ہونے دو۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور کئی دوسرے صحابہ نے بھی اپنے اپنے لڑکوں کو آپ کی حفاظت کے لئے بھیجا۔

حضرت عثمان کا خطاب باغیوں سے

حضرت عثمانؓ نے متعدد بار باغیوں کو سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ ایک دفعہ آپ محل سرائے کی چھت پر تشریف لے گئے۔ اور باغیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے لوگو! وہ وقت یاد کرو۔ جب مسجد نبوی کی زمین تنگ تھی۔ اور رسول اللہ نے فرمایا کون ہے جو اللہ کے لئے اس زمین کو خرید کر مسجد کے لئے وقف کرے اور جنّت میں اس سے بہتر جگہ کا وارث ہو۔ وہ کون تھا۔ کہ جس نے رسول اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی تھی؟

آواز آئیں، آپ نے تعمیل کی تھی۔

پھر فرمایا۔ کیا تم آج اسی مسجد سے مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہو۔؟

پھر فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔ کہ تم وہ وقت یاد کرو۔ جب مدینہ میں بیر رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ اور تمام مسلمان روزانہ قلّت آب سے

نائبِ رسول کی بردباری

جب حالات بہت زیادہ نازک ہو گئے۔ تو حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے امیر المومنین! میں اس نازک وقت میں تین رائیں عرض کرتا ہوں۔ آپکے طرف داروں اور جانبازوں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے۔ آپ جہاد کا حکم دیجئے۔ اس وقت بے شمار مسلمان رفاقتِ حق کے لئے کمربستہ ہیں۔ اگر یہ رائے مقبول نہ ہو۔ تو آپ صدر دروازہ کے سامنے کی دیوار توڑ کر محاصرہ سے نکلئے۔ اور مکہ معظمہ تشریف لے جائیے۔ اگر یہ بھی پسند نہ ہو تو پھر شام چلے جائیے۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں۔ آپ کا ساتھ دیں گے پکیہ استقلال حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ منظور نہیں۔ کہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہو کر اُمت کا خون بہاؤں۔ میں وہ خلیفہ نہ بنوں گا جو اُمتِ محمدؐیہ میں خونریزی کی ابتدا کرے۔ میں مکہ معظمہ میں بھی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ میں نے اپنے آقا محمد رسول اللہ سے یہ سُنا ہے کہ قریش میں کوئی آدمی حرم محترم میں فتنہ و فساد کرائیگا۔ اور اس پر آدھی دُنیا کا عذاب ہو گا۔ میں رسول اللہ کی اس وعید کا کبھی مورد نہیں بن سکتا۔ باقی رہا شام کا ارادہ۔ تو میرے لئے یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ میں اپنے دارِ ہجرت اور رسول اللہ کے پڑوس کی نعمت کو پسِ پشت ڈال دوں۔

لیکن افسوس کہ فضل و شرف کے اس اعتراف کے باوجود باغیوں کے پست دماغ سے بدنیتی کا خمار دُور نہ ہُوا۔ حج کی تقریب چند ہی روز میں ختم ہوئی چاہتی تھی اور باغیوں کو خطرہ تھا۔ کہ مسلمان حج سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف پلٹیں گے اور اس کے ساتھ ہی ان کا سارا منصوبہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے اُنہوں نے آخری طور پر اعلان کر دیا۔ کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت امیر المومنین نے یہ ندا اپنے کانوں سے سُنی اور فرمایا:۔

اے لوگو! آخر کس جرم میں تم میرے خون کے پیاسے ہو۔ شریعتِ اسلامی میں کسی شخص کے قتل کی تین ہی صورتیں ہیں۔ اس نے بدکاری کی ہو تو اُسے سنگسار کیا جاتا ہے۔ اس نے قتل عمد کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جاتا ہے، وہ مرتد ہو گیا ہو۔ تو اسے انکارِ اسلام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ تم اللہ کے لئے بتاؤ، کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کیا تم مجھ پر بدکاری کا الزام لگا سکتے ہو؟ کیا میں رسول اللہ کے دین سے پھر گیا ہوں؟ سُنو، میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد رسول اللہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ کیا اب اس کے بعد بھی تمہارے پاس میرے قتل کی وجہ جواز باقی ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان دردناک الفاظ کا کسی کے پاس بھی جواب موجود نہ تھا۔ لیکن پھر بھی مفسدین کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہ ہُوا۔ مفسدین کی جماعت اپنے ناپاک ارادوں پر اب بھی قائم تھی۔

ارشاد فرمایا:۔ میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ ایک بھی مسلمان میرے لئے خون نہ بہائے۔ پھر بیس غلاموں کو جو گھر میں موجود تھے۔ طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہو گئے تو فرمایا۔ آج تم اللہ کے لئے آزاد ہو۔ اس وقت زید بن سعدؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے امیر المومنین! رسول اللہ کے انصار دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ آج پھر اپنا وعدۂ نصرت پورا کر دیں۔ ارشاد فرمایا: اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا۔ آج میری سب سے بڑی حمایت یہ ہے کہ کوئی مسلمان میرے لئے تلوار نہ اٹھائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ تشریف لائے اور نہایت انکسار کے ساتھ جہاد کی اجازت طلب کی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ نائب رسول کی زبان سے جہاد کا ایک لفظ لاکھوں مسلمانوں کو ان کے جھنڈے تلے جمع کر دے گا، ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! تمہیں یہ پسند آئے گا۔ کہ تم تمام دنیا کو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا، اے امیر المومنین! کوئی مسلمان اس چیز کو بھی پسند کر سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا: اگر تم نے ایک شخص کو بھی ناحق قتل کیا تو گویا تم نے سب مخلوق قتل کر دی۔ یہ سورۂ مائدہ کی آیت کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ سنا تو چپ ہو گئے اور واپس تشریف لے گئے۔

اور محمد مصطفےٰ کی ہمسائیگی ترک کر دوں۔

حالات اور زیادہ نازک ہو گئے۔ تو آپ نے ابو ثور الفہمی سے دردمندانہ ارشاد فرمایا :-

مجھے اپنے پروردگار سے بہت بڑی اُمیدیں ہیں۔ اور میری دس امانتیں اس کی بارگاہ میں محفوظ ہیں۔ (۱) میں اسلام میں چوتھا مسلمان ہوں (۲) رسول اللہ نے مجھ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کیا۔ (۳) اُن کا انتقال ہو گیا۔ تو دوسری صاحبزادی کا نکاح میں مرحمت فرمائی۔ (۴) میں نے کبھی نہیں گایا۔ (۵) میں نے کبھی بدی کی خواہش نہیں کی۔ (۶) جس وقت سے میں نے رسول اللہ کی بیعت کی ہے۔ میں نے اپنا دہ دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ (۷) میں جب سے مسلمان ہوا ہوں۔ ہر جمعہ کے دن میں نے ایک غلام آزاد کیا۔ اور کبھی میرے پاس نہیں ہوا۔ تو میں نے اس کی قضا ادا کی (۸) میں نے زمانۂ جاہلیّت یا اسلام میں کبھی زنا نہیں کیا (۹) میں نے زمانۂ جاہلیّت یا اسلام میں کبھی چوری نہیں کی (۱۰) میں نے رسول اللہ کی حیات پاک ہی میں قرآنِ کریم حفظ کر لیا تھا۔

حالات پہلے سے بھی زیادہ نازک ہو گئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کی۔ اے خلیفۂ رسول! اس وقت سات سو جانبازوں کی جمعیّت محل سرا کے اندر موجود ہے۔ ایک بار اجازت دیجئے کہ ہم باغیوں کی طاقت آزمالیں۔

تیر سے حضرت علیؓ کے غلام قنبر کا سر زخمی ہو گیا۔ محمد بن ابوبکر کو خوف پیدا ہوا۔ کہ امام حسنؓ کا خون رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا۔ یہ سوچکر انہوں نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا کہ اگر بنی ہاشم پہنچ گئے۔ تو وہ حسنؓ کو زخمی دیکھ کر عثمانؓ کو بھول جائیں گے اور ہماری تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس لیے چند آدمی اسی وقت محل سرا میں کود دیں، اور اپنا کام ختم کر دیں۔ محمد بن ابوبکر کے ساتھیوں نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور اسی وقت چند باغی دیوار پھاند کر محل سرا میں داخل ہو گئے۔ اس وقت جتنے بھی مسلمان محل سرا میں موجود تھے۔ اتفاق سے وہ سب اُوپر کی منزل میں بیٹھے تھے اور حضرت عثمانؓ نیچے کے مکان میں تن تنہا مصروف تلاوت تھے۔ محمد بن ابوبکر نے قابلِ صد افسوس حرکت کا ثبوت دیا۔ آگے بڑھے اور ہاتھ بڑھا کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ اور اسے زور زور سے کھینچنے لگے حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:۔

بھتیجے! اگر آج حضرت صدیق اکبرؓ زندہ ہوتے تو اس منظر کو پسند نہ فرماتے

اب محمد بن ابوبکر پشیمان ہوا اور پیچھے ہٹ گیا۔ مگر کنانہ بن بشر نے پیشانی مبارک پر لوہے کی سلاخ سے ایک دردناک ضرب لگائی۔ اور رسول کا یہ بزرگ نرین نائب فرشِ زمین پر گر پڑا۔ اور فرمایا بسم اللہ توکلت علی اللہ۔ دوسری سودان بن حمران نے ماری۔ جس سے خون کا فوارہ چل نکلا۔ عمرو بن حمق کو یہ سفاہت ناکافی معلوم ہوئی یہ ذلیل ترین بدوی حضرت عثمانؓ کے سینے پر کھڑا ہو گیا۔ اور جسم مبارک و مطہر کو نیزے سے چھیدنے لگا۔ اسی وقت ایک اور بے رحم نے تلوار چلائی۔ اور حضرت نائلہؓ نے

حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت محمد رسول اللہ، حضرت عثمانؓ کے متعلق پیشگوئی فرما چکے تھے عام مسلمان حضرت عثمانؓ کی خاموشی اور باغیوں کی تباہ کاریوں پر خون کے آنسو رو رہے تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ بالکل چپ تھے۔ اور رسول اللہ کی وصیت کی تکمیل کا انتظار فرما رہے تھے۔ ابھی جمعہ کا آفتاب طلوع نہ ہوا تھا۔ کہ آپ نے روزہ کی نیت فرمائی اسی صبح خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت محمد صلعم تشریف لائے ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آپ کے ہمرکاب ہیں۔ حضور نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا: عثمانؓ جلدی آؤ۔ ہم یہاں افطاری کے لئے تمہارے منتظر بیٹھے ہیں۔ آنکھ کھلی تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا۔ میری شہادت کا وقت قریب آگیا۔ باغی ابھی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے دردمندانہ کہا۔ امیر المومنین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ارشاد فرمایا۔ میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں۔ جب بستر سے اُٹھے تو آپ نے وہ پاجامہ طلب فرمایا جس کو آپ نے کبھی نہیں پہنا تھا۔ اور اسے زیب تن فرمایا۔ پھر بیس غلاموں کو آزاد کر کے کلام پاک کو کھولا۔ اور یاد حق میں مصروف ہو گئے۔

یہ حضرت عثمانؓ کے حرم سرا کے اندرونی حالات تھے۔ ٹھیک اسی وقت محل سرا کے باہر محمد بن ابوبکر نے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ ایک تیر حضرت حسنؓ کو جو دروازہ پر کھڑے تھے، لگا اور وہ زخمی ہو گئے۔ دوسرا تیر محل کے اندر مروان تک پہنچا۔ ایک

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ خدا کی ذات تم کو کافی ہے۔ وہ علیم ہے اور حکیم ہے۔ جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت ہوئی۔ حضرت زبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علیؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔

میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔ سعید بن زیدؓ نے کہا: لوگو! واجب ہے کہ اس بداعمالی پر کوہِ اُحد پھٹے اور تم پر گرے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا حضرت عثمانؓ جب تک زندہ تھے۔ خدا کی تلوار نیام میں تھی۔ آج اس شہادت کے بعد یہ تلوار نیام سے نکلے گی اور قیامت تک کھنچی رہے گی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر حضرت عثمانؓ کے خون کا بھی مطالبہ نہ کیا جاتا۔ تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے۔

حضرت سمرہؓ نے کہا۔ قتل عثمانؓ کا رخنہ قیامت تک بند نہیں ہوگا اور خلافت اسلامی مدینہ سے اس طرح نکلے گی۔ کہ وہ قیامت تک کبھی مدینہ میں واپس نہیں آئیگی۔ کعب بن مالکؓ نے شہادت کی خبر سنی۔ ان کی زبان سے بے اختیارانہ چند دردناک اشعار نکلے جو یہ ہیں:۔

اشعار کا ترجمہ:۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ لئے اور اپنا دروازہ بند کر لیا۔ اور اپنے دل سے کہا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ دشمنوں کے ساتھ لڑائی مت کرو۔ آج جو شخص میرے لئے جنگ نہ کرے وہ خدا کی امان میں ہے۔ اے دیکھنے والے! حضرت عثمانؓ کی شہادت سے آپس کا میل محبت کس طرح ختم ہوا۔ اور خدا نے اس کی جگہ بغض و عداوت مسلط

ہاتھ سے روکا تو ان کی تین انگلیاں کٹ کر گر گئیں۔ اسی کشمکش کے دوران میں حضرت امیر المومنین بے دم ہو رہے تھے۔ کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جلادی اور بہیمیت کا یہ دردناک واقعہ صرف حضرت نائلہؓ کی غم نصیب آنکھوں کے سامنے ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ذبح ہوتے دیکھا۔ تو آپ کوٹھے پر چڑھ کر چیخنے لگیں :- امیر المومنین شہید ہو گئے۔ امیر المومنین کے دوست دوڑتے ہوئے نیچے آئے۔ تو حضرت عثمانؓ فرش خاک پر کٹے پڑے تھے۔ جب یہ مصیبت انگیز خبر مدینہ میں پھیلی تو لوگوں کے ہوش اڑ گئے۔ اور مدہوشانہ دوڑتے ہوئے محل سرا کی طرف آئے۔ مگر اب یہاں کیا رکھا تھا؟ حضرت علیؓ نے امام حسنؓ کو ایک طمانچہ مارا۔ ایک عمہ امام حسینؓ کی چھاتی پر دیا۔ مگر اب یہ سب کچھ بعد از وقت تھا۔ حضرت عثمانؓ محل سرا کے اندر خون میں ڈوبے پڑے تھے۔ مگر محاصرہ اب بھی جاری تھا۔ دو دن تک نعش مبارک وہیں بے گور و کفن پڑی رہی۔ تیسرے دن چند خوش قسمت مسلمانوں نے اس خونی لباس میت کو کندھا دیا۔ صرف سترہ مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور کتاب اللہ کے سب سے بڑے خادم اور سنت رسول اللہ کے سب سے بڑے عاشق کو جنت البقیع کے گوشہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔

چونکہ حضرت عثمانؓ اس وقت تلاوت فرما رہے تھے۔ اور قرآن مجید سامنے کھلا تھا۔ اس لئے خون ناحق نے جس آیت پاک کو رنگین فرمایا۔ وہ یہ تھی :-

اور منطقی نتائج تھے۔ شہادتِ عثمانؓ کے بعد بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کی خاندانی رقابتوں کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی۔ اور اسلام کے قدموں نے جو بجلی کی رفتار سے کائناتِ عالم کی اصلاح کے لئے اُٹھے رہے تھے۔ ایک ایسی ٹھوکر کھائی کہ وہ بگڑے ہوئے حالات پھر درست نہ ہو سکے ؛

کردی۔ حضرت عثمانؓ کے بعد بھلائی مسلمانوں سے اس طرح دُور نکلے گی جس طرح تیز آندھیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں"

اسلام کی تقدیر پلٹ گئی

شہادتِ عثمانؓ کی خبر آناً فاناً تمام ملک میں پھیل گئی۔ اس وقت حضرت حذیفہ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ بعد کے تمام واقعات صرف اسی ایک جملے کی تفصیل ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ گیا ہے کہ اب وہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں، امیر معاویہؓ گورنر شام کو جو بنی اُمیہ کے ممتاز ترین فرد تھے بھیجی گئیں۔ جب یہ کرتہ مجمع میں کھولا گیا۔ تو حشر برپا ہو گیا۔ اور انتقام انتقام کی صدائوں سے فضا گونج اُٹھی۔ بنی اُمیہ کے تمام اراکین، امیر معاویہؓ کے گرد جمع ہو گئے۔

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ حضرت علیؓ کی خلافت سے لیکر امام حسینؓ کی شہادت بلکہ امیر معاویہؓ کے بعد امویوں اور عباسیوں کی خلافت کے آخر تک جس قدر بھی واقعات پیش آئے۔ ان میں ہر جگہ حضرت عثمانؓ کے خون کا اثر برابر موجود ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ جس سے تاریخ اسلام کا رُخ پلٹ گیا۔ جو کچھ جنگ جمل میں ہوا۔ وہ بھی یہی تھا۔ اور جو کچھ کربلا میں پیش آیا۔ وہ بھی یہی تھا۔ اور جو کچھ اس کے بعد امویوں اور عباسیوں نے کیا۔ وہ اسی ایک ظلم یا گمراہی کے لازمی

فتنہ کی متحرک روح ہے۔"

برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کر دونگا کیونکہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے۔"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علی ابن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے۔

بالآخر عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی۔ "میں علیؓ کو قتل کر دونگا۔"

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ پہلے دو شخص اپنی مہم میں ناکام رہے۔ لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم کامیاب ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔ ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی۔ عبدالرحمٰن اس پر عاشق ہو گیا۔ سنگدل نازنین نے کہا۔ "میرے وصل کی شرط یہ ہے۔ کہ جو مہر میں طلب کروں وہ ادا کرو۔" ابن ملجم راضی ہو گیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتلایا "تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور علی کا قتل۔"

عبدالرحمٰن نے کہا "منظور مگر علی کو کیونکر قتل کروں؟"

خونخوار معشوقہ نے جواب دیا "چھپ کر۔ اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئیگا۔ تو مخلوق

شہادتِ مرتضیٰؓ

جنگ جمل کے بعد

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی۔ امام علی ابن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص کی تھی۔ اور اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگِ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ خوارج کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا سیاسی مذہب یہ قرار دیا تھا ان الحکم الا للہ۔ یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہیئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے۔ لہٰذا وہ کوفہ اور دمشق دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دیں گے۔ اور انہوں نے بدل دی۔

عمرو بن بکر تمیمی نے کہا "میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کر دونگا۔ کیونکہ وہ

ایک دن خطبہ میں فرمایا: "قسم اس پروردگار کی جس نے بیج اُگایا اور جان پیدا کی۔ یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے (اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین! ہمیں اس کا نام بتا دیں۔ ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے۔"

فرمایا: "تم ایسے آدمی کو قتل کرو گے۔ جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا ہے۔"

عرض کی گئی: "تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔" فرمایا: "نہیں میں تمہیں اسی حال میں چھوڑ جاؤں گا جس حال میں تمہیں رسولؐ چھوڑ گئے تھے۔"

لوگوں نے عرض کیا: "اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟" فرمایا: "کہوں گا۔ خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں۔ تو چاہے تو ان کی اصلاح کر دے اور چاہے انہیں بگاڑ دے۔" (مسند امام احمد۔ مسند علی)

حادثہ سے پہلے

آپ کی کنیز ام جعفر کی روایت ہے۔ کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی۔ کہ آپ نے سر اُٹھایا۔ پھر داڑھی ہاتھ میں لی۔ اور فرمایا: "حیف تجھ پر تو خون سے رنگی جائیگی۔"

(ابن سعد)

آپ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: "امیر المومنین ہوشیار رہیے۔ یہاں کچھ لوگ آپ کے

کو شر سے نجات دیگا۔ اور اہل وعیال کے ساتھ مسرّت کی زندگی بسر کریگا۔ اگر مارا جائے گا تو جنّت اور لازوال نعمت حاصل کریگا۔"

عبدالرحمٰن نے مطمئن ہوکر یہ شعر پڑھے۔

ثلاثة آلاف وعبد وقينة وضرب علی بالحسام المصمم

فلا مهر اغلی من علی وان علی ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم

(طبقات ابن سعد۔ کامل ابن اثیر وغیرہ)

روائتوں سے ثابت ہے۔ کہ حضرت علی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ فرماتے تھے۔ خدا کی قسم مجھے آنحضرت نے بتایا ہے۔ کہ میری موت قتل سے ہوگی۔"

عبدالرحمٰن بن ملجم دومرتبہ بیعت کے لئے آیا۔ مگر آپ نے ٹھکرا دیا۔ تیسری مرتبہ آیا تو فرمایا یہ سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے۔ واللہ یہ چیز (اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے) ضرور رنگ جانے والی ہے۔" (ابن سعد)

کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے۔ "تمہارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اُکتا گیا ہوں۔ اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے۔ اور انہیں مجھ سے راحت دے۔" (ابن سعد)

کر ڈالتے"۔ فرمایا "اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں"۔ (کامل)

صبح شہادت اقدام قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے۔ اور اس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے امیر المومنین نکلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اس رات امیر المومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کی امت سے میں نے بڑی تکلیف پائی۔ فرمایا۔ دعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دیدے۔ (کامل)

اس پر میں نے دعا کی۔ خدایا مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما۔ اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے۔ (ابن سعد)

حضرت حسن علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اسی وقت ابن النباح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا "لوگو نماز" میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اٹھے — ابن النباح آگے تھا۔ میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا "لوگو نماز" روز آپ کا یہی دستور تھا۔ کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے کے لئے جگاتے

قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (الامامۃ والسیاسۃ)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا۔ کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر عرض کی "ہوشیار رہیئے۔ کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں" (ابن سعد)

یہ بھی واضح کیا گیا تھا۔ کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگاتے دیکھا۔ اور اس سے کہا "مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔ اس نے وہ تلوار دکھائی۔ تو وہ بالکل نئی تھی۔ انہوں نے کہا۔ تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہ زمانہ تو جنگ کا نہیں"۔ عبدالرحمن نے کہا "میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں"۔ اشعث سمجھ گئے۔ اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علیؓ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا "آپ ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں"۔ آپ نے جواب دیا "لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے"۔ (الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا، کہ خود آپ بھی اُسے دیکھ کر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اُرید حیاۃ و یرید قتلی ۔۔۔ عذیرک من خلیلک من مراد

ابن ملجم برابر برأت کیا کرتا تھا۔ لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا "جو بات ہونے والی ہے ہو کر رہے گی"۔

اس پر بعض لوگوں نے کہا۔ آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں

کہ ہاتھ سے نکل جائے۔ لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے۔ دوڑے اور بھاری کپڑا اس پر ڈال دیا۔ اور زمین پر دے مارا۔

(الکامل)

قاتل اور مقتول میں گفتگو

امیر المومنین گھر پہنچائے گئے۔ آپ نے قاتل کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے آیا تو فرمایا۔

"او دشمن خدا کیا میں نے تجھ پہ احسان نہیں کئے تھے؟" اس نے کہا "ہاں" فرمایا۔ "پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟" کہنے لگا "میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا۔ اور خدا سے دعا کی تھی۔ کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے" فرمایا۔ "میں سمجھتا ہوں۔ تو اسی سے قتل کیا جائے گا۔ اور خیال کرتا ہوں۔ تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے۔" (طبری جلد)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا "او دشمن خدا تو نے امیر المومنین کو قتل کر ڈالا" کہنے لگا "میں نے امیر المومنین کو قتل نہیں کیا۔ البتہ تمہارے باپ کو قتل کیا ہے"۔ انہوں نے خفا ہو کر کہا۔ واللہ میں امید کرتی ہوں امیر المومنین کا بال بیکا نہ ہوگا" کہنے لگا "پھر کیوں اتنے بہا فی ہو" پھر بولا۔ "بخدا میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی یہ بیوفائی کرے تو خدا اسے غارت کر دے۔ (ابن سعد)

امیر المومنین نے حضرت حسنؓ سے کہا "یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع

پھرتے تھے۔ (ابن سعد)

ایک روایت میں ہے۔ کہ موذن کے پکارنے پر اُٹھے نہیں۔ لیٹے رہے موذن دوبارہ آیا۔ مگر آپ پھر بھی اُٹھا نہ گیا۔ سہ بارہ اس کے آواز دینے پر آپ بمشکل یہ شعر پڑھتے مسجد کو چلے۔

اشدد حیازمیک للموت فان الموت لاقیکا

(موت کے لئے کمر کس لے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنے والی ہے)

ولا تجزع من الموت اذا حل بوادیکا

موت سے نہ ڈر۔ اگر وہ تیرے ہاں نازل ہو جائے

(احیاء العلوم جلد ۴)

آپ جونہی آگے بڑھے۔ دو تلواریں چمکتی نظر آئیں۔ اور ایک آواز بلند ہوئی۔ "حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری"! شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی۔ اور دماغ پر اُتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے "فزت برب الکعبہ" (رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔) (احیا۔ جلد ۴)

نیز پکارے، قاتل جانے نہ پائے۔ لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے شبیب تو نکل بھاگا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمٰن نے تلوار گھمانا شروع کر دی۔ اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا قریب تھا

آپ نے جواب دیا: میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں۔ نہ اس سے منع کرتا ہوں اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔" (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسنؑ اور حسینؑ کو بلا کر فرمایا: "میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا۔ اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے جو چیز تم سے دور ہو جائے۔ اس پر نہ کڑھنا۔ ہمیشہ حق کرنا۔ یتیم پر رحم کھانا۔ بیکس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی بننا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کرنا۔"

پھر آپ نے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا۔ جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کر لی؟

انہوں نے عرض کی "جی ہاں"۔ فرمایا: "میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں۔ نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا۔"

پھر امام حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام سے فرمایا: "میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہارے باپ کا بیٹا ہے۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے۔"

پھر امام حسنؑ سے فرمایا: "فرزند میں تمہیں وصیت کرتا ہوں خوف خدا کی۔"

کرو۔ اچھا کھانا دو۔ نرم بچھونا دو۔ اگر زندہ رہوں گا۔ تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعوے دار میں ہوں گا۔ قصاص لوں گا یا معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔" (ابن سعد)

"اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کر دو۔ اور کہو کہ امیر المومنین قتل ہو گئے۔ خبردار میرے قاتل کے سوا دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسنؓ اگر میں اس کی اس ضرب سے مر جاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی صلعم کو فرماتے سنا ہے۔ کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو۔ اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔

(طبری)

ایک روایت میں ہے۔ کہ فرمایا "اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو۔ تو چاہیئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اس نے مجھے مارا۔ لیکن اگر معاف کر دو۔ تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔" (کامل)

"دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (ابن سعد)

وصیت

پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟"

نے ابو قاسم (رسول صلعم) کو فرماتے سُنا ہے۔ کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا، روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو۔ ان سے بھلائی کرو۔ خدا تم پہ حساب آسان کر دے گا۔ اور ہاں یتیم! یتیموں کا خیال رکھو۔ ان کے منہ میں خاک مت ڈالو وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں اور دیکھو تمہارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ تمہارے نبی کی وصیّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیّت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سمجھے، شاید انہیں ورثہ میں شریک کر دینگے۔ اور دیکھو قرآن! قرآن! ایسا نہ ہو، قرآن پر عمل کرنے سے کوئی تم پہ بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور تمہارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوٰۃ! زکوٰۃ! زکوٰۃ پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ اور ہاں تمہارے نبی کے ذمی! تمہارے نبی کے ذمی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو۔ ان پر تمہارے سامنے ظلم کیا جائے۔ اور تمہارے نبی کے صحابی! تمہارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیّت کی ہے اور فقرا و مساکین! فقرا و مساکین! انہیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب

اوقات میں نماز قائم کرنے کی میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ بوقت وضو کرنے کی۔ کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں۔ اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی۔ دین میں عقل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن سے مزاولت کی۔ پڑوسی سے حسن سلوک کی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی۔ فواحش سے اجتناب کی۔ (طبری جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کرکے کہا "خدا سے ڈرتے رہو۔ اس کی اطاعت کرو۔ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے" اس کا غم نہ کرو۔ اس کی عبادت پر کمربستہ رہو۔ چست و چالاک بنو۔ سستی نہ بنو۔ ذلت قبول نہ کرو۔ خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر دے ہمیں اور انہیں دنیا سے بے رغبت کر دے۔ ہمارے اور ان کے لئے آخرت اوّل سے بہتر کر دے۔" (الامامۃ والسیاسۃ)

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی "یہ علی ابن ابی طالب کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے۔ کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز میری عبادت میرا جینا۔ میرا مرنا۔ سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسنؑ! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا۔ اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جھنڈا دیتے تھے۔ اور اس کے ہاتھ پر فتح ہو جاتی تھی۔ اس نے سونا چاندی کچھ نہیں چھوڑا۔ صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر سات سو درہم گھر کے لئے جمع کئے تھے (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا۔) (مسند حسن)

زید بن حسینؑ سے مروی ہے۔ کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعہ مدینہ میں پہنچی۔ سنتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو نہ روتی ہو۔ بالکل وہی منظر درپیش تھا۔ جو رسول اللہ کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا "چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں۔ کہ رسول اللہ کے بھتیجے کی موت سنکر اُن کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید کہتے ہیں "سب لوگ ہجوم کر کے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ انہوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال اور آنسوؤں سے تربتر بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے"

حضرت زید فرماتے ہیں۔ دوسرے دن مشہور ہوا۔ ام المومنین رسول اللہ کی قبر پر جا رہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے۔ استقبال کو آ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے۔ مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں۔

میں اگر کسی کی بھی پروا نہ کرو گے تو خدا تمہارے دشمنوں سے تمہیں محفوظ کر دیگا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ میٹھی بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوڑنا۔ ورنہ تمہارے اشرار تم پر مسلّط کر دیئے جائیں گے۔ پھر تم دعائیں کرو گے۔ مگر قبول نہ ہوں گی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلّف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا۔ اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقوے پر باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو۔ کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمہیں محفوظ رکھے۔ اور اپنے نبی کریم کے طریقہ پر قائم رکھے۔ میں تمہیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارے لئے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں۔

اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

(طبری جلد ۶)

دفن کے بعد

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت امام حسنؑ نے مسجد میں خطبہ دیا:-

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہو گیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیش قدمی کر گئے۔ اور نہ پچھلے اس کی برابری کریں گے۔

آپ کے مشہور صحابی ابوالاسود الدؤلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

الا ابلغ معاویۃ بن حرب

فلا قرت عیون الشانینا

نہ بولتی تھیں۔ شدتِ گریہ سے زبان بند تھی۔ دل تنگ تھا۔ چادر تک نہ سنبھلتی تھی۔ پاؤں پیروں میں اُلجھتی۔ اور آپ لڑکھڑا جاتیں۔ بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ حجرہ میں داخل ہوئیں۔ تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہوگئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

اے نبی ہدایت! تجھ پہ سلام! ابوالقاسم تجھ پہ سلام۔ رسول اللہ! آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پہ سلام! میں آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں۔ میں آپ کے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں۔ تجدار آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہوگیا۔ جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی۔ واللہ وہ قتل ہوگیا۔

جو ایمان لایا۔ اور ایمان کے عہد میں پورا اترا۔ میں رونے والی غمزدہ ہوں۔ میں اس پہ آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں۔ اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی۔ کہ تیرا عزیز ترین اور افضل ترین وجود قتل ہوگیا۔

(عقد الفرید ج ۲)

ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنین عائشہ نے جب امیر المومنین کی شہادت سنی تو ٹھنڈی سانس لی۔ اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں۔ کوئی انہیں روکنے والا باقی نہیں رہا"

(استیعاب)

تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔ وہ ان کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے بغیر کسی مبالغہ کے کہا جا سکتا ہے۔ کہ دُنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسلِ انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہوں گے۔ جس قدر اس حادثہ پر بہے ہیں۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو محرم گذر چکے اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ امام حسینؓ کے جسم خونچکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا۔ اس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم والم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے۔

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے۔ تو اکثر صورتوں میں اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے۔ وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینی ہے۔ حتیٰ کہ تاریخی حیثیت سے بیان کردہ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں۔ وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ہے۔ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی ہے۔

امام حسینؓ بن علی علیہ السلام

ضروری تمہید

"دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پہ پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا عموماً تاریخ سے زیادہ افسانہ اور تخیل کے اندر انہیں ڈھونڈنا چاہتی ہے اسی لئے فلسفہ تاریخ کے بانی اوّل ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنانا پڑا۔ کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا۔ اتنی ہی افسانہ سرائی اسے اپنے حصار تخیّل میں لے لیگی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بن جائے۔

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ وعلیٰ آبائہ واجدادہ الصلوٰۃ والسّلام) کی شخصیّت جو اہمیّت رکھتی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی سیاسی اور اجتماعی

حضرت حسینؑ نے جواب دیا "میں نے عزم کر لیا ہے۔ آج ہی کل میں میں روانہ ہوتا ہوں" ابن عباس بے اختیار پکار اُٹھے۔ خدا آپ کی حفاظت کرے۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنے دشمن کو نکال دیا ہے۔ اور ملک پر قبضہ حاصل کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو بڑے شوق سے تشریف لے جائیے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ حاکم بدستور ان کی گردن دبائے بیٹھا ہے۔ اس کے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں۔ تو اُن کا آپ کو بلانا درحقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں۔ وہ آپ کو دھوکا نہ دیں۔ اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں۔ تو خود آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں" مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے۔ اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابنِ عبّاس کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی۔ تو ابنِ عبّاس پھر دوڑے آئے۔

"اے ابنِ عم!" انہوں نے کہا "میں خاموش رہنا چاہتا تھا۔ مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپ کی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں عراق والے دغاباز ہیں۔ ان کے قریب بھی نہ جائیے۔ یہیں قیام کیجئے۔ کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپ کو بلاتے ہیں۔ تو اُن سے کہیئے۔ پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو۔ پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے

آج اگر جستجو کی جائے کہ دُنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے۔ جو حادثہ کربلا کی تاریخ ہو۔ تو واقعہ یہ ہے۔ کہ ایک بھی نہیں!

اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور حسین ابن علی علیہ السّلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ اِس لئے وہاں اہلِ بیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے حضرت حسینؑ کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے۔ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہلِ کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیجدیا۔ اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہلِ کوفہ کی بیوفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی اُمیّہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے اس سفر کی مخالفت کی حضرت عبد اللہ ابن عبّاس نے کہا "لوگ یہ سُن کر بڑے پریشان ہیں۔ کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ مجھے اصلی حقیقت سے آگاہ کیجئے۔

بھائی عبداللہ بن جعفر نے خط بھیجا :-

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجائیے۔ کیونکہ اِس راہ میں آپکے لئے ہلاکت اور آپکے اہل بیت کے لئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہو گئے۔ تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔ میں آتا ہوں"

(ابن جریر کامل، مقتل ابن احنف وغیرہ ذلک)

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ انہوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جا کر کہا "حسین ابن علی کو خط لکھو۔ اور ہر طرح مطمئن کر دو"۔ عمرو نے کہا۔ آپ خود خط لکھ لائیے۔ میں مُہر کر دُوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا :-

"میں دُعا کرتا ہوں۔ کہ خدا آپ کو اس راستہ سے دُور کر دے جس میں ہلاکت ہے۔ اور اس راستہ کی طرف رہنمائی کر دے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔

میں آپ کے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔

میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ

جانا ہی چاہتے ہیں۔ تو یمن چلے جائیے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہوں گے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعے اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے۔"

لیکن حضرت حسینؑ نے جواب دیا۔

"اے ابنِ عم! میں جانتا ہوں۔ تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں اب عزم کر چکا۔"

ابن عباس نے کہا۔

"آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچّوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح نہ قتل کر ڈالے جائیں جس طرح عثمان بن عفانؓ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس نے جوش میں آکر کہا۔

"اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رُک جائیں گے۔ تو واللہ میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں۔

(ابن جریر)

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا۔ آپ کے چچیرے

مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر دیا۔ اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپ نے سنا تو بار بار (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ) پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا۔

"اب بھی وقت ہے۔ ہم آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ للہ یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔"

آپ خاموش کھڑے ہو گئے۔ اور واپسی پر غور کرنے لگے لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے "واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے۔" انہوں نے کہا "ہم اپنا انتقام لیں گے۔ یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔" اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا "ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔" (ایضاً)

راستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی

بدوؤں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے۔ کوفہ میں خوب آرام کریں گے۔ آپ ان کی حقیقت سے واقف تھے سب کو جمع کر کے خطبہ دیا۔

اے لوگو! ہمیں نہایت وحشت ناک خبریں پہنچی ہیں مسلم بن عقیل، ہانی

بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ ان کے ساتھ واپس چلے آئیے۔ میرے پاس آپ کے لئے۔ امن، سلامتی، نیکی، احسان اور حسنِ جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے۔ وہ ہی اس کا نگہبان اور کفیل ہے"۔ والسّلام

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔ (ابن جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقات

مکّہ سے آپ عراق کو روانہ ہو گئے۔ "صفاح" نام مقام پر مشہور محبّ اہلِ بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔

آپ نے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟"

فرزدق نے جواب دیا۔ اُن کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی اُمیّہ کے ساتھ ہیں"۔ فرمایا "سچ کہتا ہے۔ مگر اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جو چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اس کی مشیّت ہماری پسند کے مطابق ہوئی تو اس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہوئی تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"۔

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ (ایضاً)

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرود نام مقام میں پہنچکر معلوم ہوا کہ آپ کے نائب

کر دے۔ اگر اب بھی تمہاری یہ حالت ہے۔ تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد پیمان کرنے کے لئے آئے ہو۔ جن پر میں مطمئن ہو جاؤں۔ تو میں تمہارے شہر چلنے کو تیار ہوں اگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو۔ تو میں وہیں واپس چلا جاؤنگا۔ جہاں سے آیا ہوں۔"

دشمنوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہ دیا دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے۔ "اقامت پکارو۔"

حضرت حسینؑ نے حُر بن یزید سے کہا۔ کیا تم علیحدہ نماز پڑھو گے؟ اس نے کہا۔ "نہیں آپ امامت کریں۔ ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔"

وہیں عصر کی بھی نماز پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ نماز کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا۔

دوسرا خطبہ

اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر ہو۔ اور حقدار کا حق پہچانو۔ تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو۔ ہمارا فرض نہ پہچانو اور تمہاری رائے اب اس کے خلاف ہو گئی ہو۔ جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی۔ تو میں واپس چلے جانے کیلئے

بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر قتل کر ڈالے گئے۔ ہمارے طرفداروں نے بیوفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے۔"

بھیڑ نے یہ سنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے گرد وہی آدمی رہ گئے۔ جو مکّہ سے ساتھ چلے تھے۔ (ایضاً)

حُر بن یزید کی آمد

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے۔ عبیداللہ بن زیاد والئے عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور ساتھ ہو لیا۔ اسے حکم ملا تھا۔ کہ حضرت حسینؑ کے ساتھ برابر لگا رہے۔ اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے۔ جب تک انہیں عبیداللہ بن زیاد کے سامنے نہ لے جائے۔ اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ نے بندھے باندھے چادر اوڑھے، نعل پہنے، تشریف لائے۔ اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حُر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا۔

راہ میں ایک خطبہ

"اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے۔ کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے، قاصد آئے۔ مجھے بار بار دعوت دی گئی۔ کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے۔ تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع

جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حرؑ نے کہا: "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے۔ کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے۔ تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو، نہ مدینہ۔ میں ابنِ زیاد کو لکھتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں۔ تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھیئے۔ شاید خدا میرے لئے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں"

یہ بات آپ نے منظور کر لی۔ اور روانہ ہو گئے۔ (جریر و کامل)

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپ نے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ پر خطبہ دیا۔

"اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے۔ خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے۔ عہدِ الٰہی شکست کرتا ہے سنتِ نبوی کی مخالفت کرتا ہے۔ خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے۔ اور یہ دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اُس کی مخالفت کرے نہ اپنے قول سے۔ سو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔ دیکھو، یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے۔ اور رحمان سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے حدودِ الٰہی معطل ہیں۔ مالِ غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا

بخوشی تیار ہوں۔"

اہلِ کوفہ کے خطوط

اس پر حُر نے کہا۔" آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔"

آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا۔ کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے۔ جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔" عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس پہ حُر نے کہا۔" لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔"

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔" لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔"

پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے خفا ہو کر حُر سے کہا۔" تیری ماں تجھے روئے تو کیا چاہتا ہے؟

حُر نے جواب دیا۔ واللہ اگر آپ کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پہ لاتا۔ تو میں اسے بتا دیتا۔ لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پہ برائی کے ساتھ نہیں آسکتا۔"

آپ نے فرمایا۔" پھر تم کیا چاہتے ہو۔"

اس نے کہا۔" میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا۔" تو واللہ میں تمہارے ساتھ نہیں چلونگا۔"

اس نے کہا۔" میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑونگا۔"

تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے افسوس دیکھتے نہیں۔ کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آگیا ہے۔ کہ مومن حق کی راہ میں رضائے الٰہی کی خواہش کرے۔ لیکن میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے۔"

زہیر کا جواب

یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا۔ "تم بولو گے یا میں بولوں؟"

سب نے کہا۔ "تم بولو۔" زہیر نے تقریر کی:۔

"اے فرزند رسول! خدا آپ کے ساتھ ہو! ہم نے آپ کی تقریر سنی۔ واللہ اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو۔ اور ہم سدا اس میں رہنے والے ہوں۔ جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اس کی جدائی گوارا کر لیں گے۔ اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ کے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیں گے۔ (ایضاً)

حُر کی دھمکی کا جواب

حُر بن یزید آپ کے ساتھ برابر چلا آرہا تھا۔ بار بار کہتا تھا۔ "اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے۔"

ایک مرتبہ آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا۔ "تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ کیا

سب سے زیادہ حق دار ہوں۔ تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ تم مجھ سے بے وفائی نہ کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہِ ہدایت ہے۔ کیونکہ میں حسینؓ ابن علیؓ ——— ابن فاطمہ۔ رسول اللہ کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے۔ میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ۔ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ لیکن اگر تم یہ نہ کرو۔ بلکہ اپنا عہد توڑ دو۔ اور اپنی گردن سے بیعت کا حلقہ نکال پھینکو۔ تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔

تم میرے باپ۔ بھائی اور عم زاد مسلم سے ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے۔ جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو۔ تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم نے اپنا ہی حصہ کھو دیا۔ اپنی قسمت بگاڑ دی۔ جو بد عہدی کرے گا۔ خود اپنے خلاف بدعہدی کریگا۔ عجب نہیں خدا عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ (والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

(ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی :۔

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا۔ منہ پھیر لیا۔ نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی

شریف النسب آدمی تک پہنچ جا۔)

الماجد الحسب، رحیب الصدر اتی به الله لخیر امر

(وہ عزت والا ہے۔ آزاد ہے۔ فراخ سینہ ہے۔ اللہ اسے سب سے اچھے کام کے لئے لایا ہے۔)

شمت البقاء بقاء الدھر

(خدا اُسے ہمیشہ سلامت رکھے)

حضرت حسینؑ نے یہ شعر سُنے تو فرمایا "واللہ مجھے یہی امید ہے۔ کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے۔ چاہے قتل ہوں یا فتحیاب ہوں"

حُر بن یزید نے ان کو دیکھا۔ تو حضرت سے کہا "یہ لوگ کوفہ کے ہیں۔ آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انہیں روکوں گا۔ واپس کر دونگا"

آپ نے فرمایا "تم وعدہ کر چکے ہو۔ کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کروگے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے۔ لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کروگے تو میں تم سے لڑونگا" یہ سُنکر حُر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپ نے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟" انہوں نے جواب دیا۔ شہر کے سرداروں کو رشوتیں دے کر بلایا گیا ہے۔ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔

تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھ قتل کر دگے؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیا جواب دوں تجھے؟ لیکن میں وہی کہوں گا۔ جو رسول اللہ کے ایک اصحابی نے جہاد پہ جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا۔

سامضی وما بالموت عار علی الفتیٰ اذا امّا نوی حقاً وجاھد مسلما

(میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لئے موت، ذلت نہیں ہے۔ جب کہ اس کی نیت نیک ہو۔ اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔)

وآسی الرجال الصالحین بنفسہ وفارق مثبوراً یغش ویرغما

(اور جبکہ وہ اپنی جان دیدے کر صالحین کا مددگار ہوا۔ اور دغا باز ظالم ہلاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہو۔) (ایضاً)

چار کوفیوں کی آمد

عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے مہ سوار آتے دکھائی دیئے۔ ان کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

یا ناقتی لا تذعری من زجری وشمری قبل طلوع الفجر

(اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔ طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل!)

بخیر رکبان وخیر سفر حتی تحلی بکریم النحر

(سب سے اچھے مسافروں کو لے چل۔ سب سے اچھے سفر پہ چل، یہاں تک کہ

کہ اگر ممکن ہو تو ایک باشت بھی آگے نہ بڑھیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں۔ جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلئے میں اپنے پہاڑ "آجا" میں آپ کو اُتاروں گا۔ واللہ وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلہ طے کے ۲۰ ہزار بہادر تلواریں لئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ واللہ جب تک ان کے دم میں دم رہے گا۔ آپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔

آپ نے جواب دیا۔

خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ لیکن ہمارے اور ان کے مابین ایک عہد ہو چکا ہے ہم اس کی موجودگی میں ایک قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ہوگا۔"

ایضاً

خواب اب آپ کو یقین ہو چلا تھا۔ کہ موت کی طرف جا رہے ہیں۔ "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوچ کے وقت آپ اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر بآواز بلند کہنے لگے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن"۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے عرض کیا اِنَّا لِلّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کیوں؟

فرمایا۔ "جانِ پدر ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک سوار کہتا چلا آ رہا ہے۔ "لوگ چلتے ہیں اور موت ان کے ساتھ چلتی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ

مگر ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی۔ (ایضاً)

آپ کے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے انہیں قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ دی تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور فرمایا:۔ منھم من قضیٰ نحبہٗ و منھم من ینتظر وما بدلو تبدیلا۔ (بعض ان میں سے مر چکے ہیں۔ اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر حق پہ ثابت قدم ہیں۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔)

خدایا ہمارے لئے اور ان کے لئے جنّت کی راہ کھول دے اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور انہیں جمع کر۔"

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا:۔

"واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں۔ مگر آپ کے ساتھ کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے۔ جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اسی لئے جمع کئے گئے ہیں۔ کہ ایک حسینؑ سے لڑیں۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔

زہیر القین نے حضرت سے عرض کیا: "ان لوگوں سے لڑنا اس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے۔ جو بعد میں آئے گی"۔

مگر آپ نے لڑنے سے انکار کر دیا: میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کرنا چاہتا"۔ زہیر نے کہا: "تو پھر اس سامنے کے گاؤں میں چل کر اتریئے جو فرات کے کنارے ہے۔ اور قلعہ بند ہو جانا چاہیئے"۔

آپ نے پوچھا: "اس کا نام کیا ہے؟" زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر و نتیجہ ہونا) یہ سنکر آپ منغض ہو گئے۔ اور کہا: "عقر سے خدا کی پناہ!"

(ایضاً)

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اجاڑ سرزمین پر پہنچ کر اتر پڑے۔ پوچھا اس سرزمین کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا "کربلا"۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کرب اور بلا ہے۔ یہ مقام دریا سے دور تھا۔ دریا اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔ (یہ واقعہ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کا ہے)

(الامامۃ والسیاسۃ)

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر پہنچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش نہ تھی۔ کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے۔ اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اس نے آتے ہی حضرت حسینؑ

ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے"۔

علی اکبرؑ نے کہا "خدا آپ کو روز بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں"۔ فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں"۔ اس پر وہ بے اختیار پکار اٹھے "اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پروا نہیں"۔

یہی وہ آپ کے صاحبزادے ہیں۔ جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔

(ابن جریر، شرح نہج البلاغہ، امام سید مرتضیٰ وغیرذلک)

صبح آپ پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع

ابن زیاد کا خط کیا۔ مگر حُر بن یزید انہیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ یہ ہتھیار بند تھا۔ حضرت حسینؑ کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا۔ مگر حُر کو سلام کیا۔ اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔

"حسینؑ کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اترنے نہ دو۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا ایلچی قاصد تمہارے ساتھ رہے گا۔ کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو"۔

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امامؑ کو آگاہ کیا۔ اور کہا "اب میں مجبور ہوں آپ کو بے آب و گیاہ کھلے میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں"۔

عمرو بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا۔ لیکن آپ ۲۰ مشکیں پانی کی بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا۔ آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لے کر اپنے اپنے پڑاؤ سے نکلے۔ اور درمیانی مقام میں ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے۔ گفتگو بالکل خفیہ تھی۔ لیکن لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا۔ ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہو جائیں۔ عمر نے کہا "اگر میں ایسا کروں گا۔ تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائے گا۔"

آپ نے فرمایا "میں بنا دوں گا۔" عمر نے کہا "میری تمام جائداد ضبط کر لی جائے گی۔"

آپ نے فرمایا "میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دے دونگا۔"

مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔ (ابن جریر وغیرہ)

تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے تین صورتیں پیش کیں:-

۱۔ مجھے وہیں لوٹ جانے دو۔ جہاں سے آیا ہوں۔

۲۔ مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔

۳۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گذرتی ہے

کے پاس قاصد بھیجا۔ اور دریافت کیا۔ آپ کیوں تشریف لائے؟ آپ نے وہی جواب دیا جو عمر بن سعد کو دے چکے تھے "تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا ہے۔ اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ تو میں لوٹ جانے کے لئے تیار ہوں"

ابن زیاد کی سختی عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی۔ اور اُمید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا:

الآن اذ علقت مخالبنا بہ یرجو نجاتہ ولات حین مناص

(اب کہ ہمارے پنجہ میں آپھنسا ہے۔ چاہتا ہے کہ نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں رہا)

"حسین سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا ہے حسین اور ان کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔

پانی پر تصادم عمر بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیجدیئے۔ اور آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادے لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہنچے تو نافذ دستے کے افسر

تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہہ دیا ہے۔ کہ عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا۔ جب تو تم اس کی اطاعت کرنا۔ ورنہ چاہیئے۔ کہ اُسے ہٹا کر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا۔ اور حسین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدینا۔"

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تنبیہ بھی کی گئی تھی۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا ہے۔ کہ حسین کو بچاؤ اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو، میرا حکم صاف ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں۔ تو صحیح وسالم میرے پاس بھیجدو۔ لیکن اگر انکار کریں۔ تو پھر بے تامل حملہ کر دو۔ خون بہاؤ۔ لاش بگاڑ دو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا۔ کیونکہ وہ باغی ہیں۔ اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ میں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ اگر قتل کر دونگا تو یہ ضرور کروں گا۔"

"اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام واکرام کے مستحق ہوگے۔ اور اگر نافرمانی کی تو قتل کئے جاؤ گے۔" (ابن جریر وغیرہ)

شمر بن ذی الجوشن اور حضرت حسین ؑ

شمر ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیر المومنین علی السّلام کی زوجیت میں تھیں اور انہیں کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان

وہ مجھ پر گذرے گی۔

عمر کا خط بار بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا۔ خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور کر دی۔ اتفاق پیدا کر دیا۔ اُمّت کا معاملہ درست کر دیا۔ حسینؑ مجھ سے وعدہ کر گئے ہیں۔ کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار ہوں۔ اس میں تمہارے لئے بھی بھلائی ہے۔ اور اُمّت کے لئے بھی بھلائی ہے۔"

شمر کی مخالفت ابن زیاد نے خط پڑھا۔ تو متاثر ہو گیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا۔ مگر شمر ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا۔ اب حسینؑ قبضہ میں آ چکے ہیں۔ اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے۔ تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کر لیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب انہیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے۔ جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ حسینؑ اور عمر رات رات بھر باہم سرگوشیاں کیا کرتے ہیں۔"

ابن زیاد کا جواب ابن زیاد نے یہ رائے پسند کر لی۔ اور شمر کو خط دیکر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ کہ اگر حسین معہ اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انہیں صحیح سالم میرے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن اگر یہ بات وہ منظور نہ کریں

دونوں فوجوں میں زبانی ردوکد

حضرت امامؑ کے طرفداروں میں سے حبیب ابن مظاہر نے کہا: خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے۔ کہ اس کے نبی کی اولاد اور اس شہر (کوفہ) کے نیک گذار عابدوں کے خون سے ان کا ہاتھ رنگین ہوں گے۔

ابن سعد کی فوج میں سے عزرہ بن قیس نے جواب دیا: "شاباش اپنی خوب بڑائی کرو۔ پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو۔" زہیر بن القین نے کہا: "اے عزرہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کر دیا ہے۔ اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈرو، اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بنو۔"

عزرہ نے جواب دیا: "اے زہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟"

زہیر نے کہا: "ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حسینؑ کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔ نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن سفر نے ہم دونوں کو یک جا کر دیا ہے۔ میں نے انہیں دیکھا تو رسول اللہ یاد آ گئے۔ رسول اللہ کی ان سے محبت یاد آ گئی۔ میں نے دیکھا۔ یہ کتنے قوی ہیکل شخص کے سامنے جا رہے ہیں۔ خدا نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ میں ان کی مدد کروں گا اور اللہ اور اس کے رسول کے اس حق کی حفاظت کروں۔ جسے تم نے ضائع کر دیا ہے۔"

پیدا ہوئے تھے۔ جو اس معرکہ میں امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا، اور ان کے واسطے سے حضرت امام کا بھی پھوپھی زاد بھائی تھا اس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی۔ کہ اس کے ان عزیزوں کو امان دے دی جائے۔ اور اس نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے میدان میں چار شل صاحبزادوں کو بلا کر کہا۔ "تم میرے دادھیالی ہو۔ تمہارے لئے میں نے امن اور سلامتی کا سامان کر لیا ہے"

لیکن انہوں نے جواب دیا۔ افسوس تم پر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو۔ لیکن فرزند رسول اللہ کے لئے امان نہیں ہے"

شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہنچا دیا اور وہ بلوعاً و کرہاً بجنگ عزل آمادہ تعمیل ہو گیا (ایضاً)

فوج کی ابتدائی حرکت

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب قریب پہنچا تو حضرت عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا کہ "ابن زیاد کا جواب آگیا ہے۔ اور اس کا مضمون یہ ہے"

حضرت عباس واپس لوٹے۔ کہ حضرت حسین کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پرجوش آدمیوں میں جو ردوکد ہوئی۔ اسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ میری جان سلے کہ تم سے غافل ہو جائیں گے۔"

یہ سُنکر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور بے چین ہوئے حضرت عباس نے کہا "یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے۔

حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا "اے اولاد عقیل! مسلم کا قتل کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں اجازت دی۔"

وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے۔ کہ ہم اپنے شیخ سردار اور عمزادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے ان کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ چلایا۔ نہ تلوار چلائی۔ نہیں! واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر جان، مال، آل، اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گذریگی وہی ہم پر گذریگی۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے۔"

آپ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا "ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ نہیں ہرگز نہیں! میں اپنا نیزہ دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہے گا تلوار چلاتا رہونگا۔ نہتا ہو جاؤنگا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے۔"

امام حسین کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو انہوں نے کہا: "اگر ممکن ہو تو آج انہیں ٹال دو۔ تاکہ آج رات اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں۔ اس سے دعا کریں۔ مغفرت مانگیں کیونکہ وہ جانتا ہے۔ میں اس کی عبادت کا دلدادہ اور اس کی کتاب کا پڑھنے والا ہوں۔"

چنانچہ یہی جواب دیا گیا۔ اور فوج واپس آگئی۔ (ابن جریر و یعقوبی)

آپ کی حسرت اور احباب کی وفاداری

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپ نے اپنے ساتھی جمع کئے اور خطبہ دیا:۔

"خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ رنج و راحت ہر حالت میں اُس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوّت سے مشرّف کیا قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی، اور ہمیں دیکھنے سُننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں۔ یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو! تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کل میرا اُن کا فیصلہ ہو جائیگا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے، میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو۔ اور تاریکی میں ادھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے

یا دھر اف لک من خلیل کم لک بالاشراق والاصیل

(اے زمانہ! تیرا برا ہو، تو کیسا بے وفا دوست ہے، صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل والدھر لا یقنع بالبدیل

کتنے مارے جاتے ہیں۔ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا، کسی سے عوض قبول

نہیں کرتا۔)

وانما الامر الی الجلیل وکل حی سالک السبیل

(اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا رہا ہے)

تین چار مرتبہ آپ نے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں مگر

میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا، مصیبت ٹلنے والی نہیں ہے۔ میری

پھوپھی نے یہ شعر سنے۔ وہ بے قابو ہو گئیں۔ بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور

شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا "اے بہن، یہ کیا حال ہے؟ کہیں

ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر

غالب آجائیں۔

انہوں نے روتے ہوئے کہا "کیونکر اس حالت پر صبر کیا جائے۔ کہ آپ

اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں"

آپ نے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے"

سعد بن عبد اللہ الحنفی نے کہا: واللہ ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہونگا، جلایا جاؤنگا، آگ میں بھونا جاؤنگا، پھر میری خاک ہوا میں اڑا دی جائے گی۔ اور ایسا ستر مرتبہ نہیں، بلکہ ستر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑونگا۔ یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں۔"

زہیر بن القین نے کہا: "بخدا اگر میں ہزار مرتبہ بھی آپ سے بچھڑ جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب، اگر میرے قتل سے آپ اور آپ کے اہل بیت کے ان نوجوانوں کی جانیں بچ جائیں۔"

(ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغۃ وغیرہ)

حضرت زینب کی بے چینی اور آپ کا توصیۂ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے۔ کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں۔ میں بیٹھا تھا۔ میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اس خیمے میں ابوذر غفاری کے غلام جونؔ تلوار صاف کر رہے تھے۔ اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:-

ماکان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔

دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سُنی تو چلّا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی۔ ہم ہی طیّب ہیں۔ اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں"

عشر کی صبح جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرّم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسینؑ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں۔ ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دے دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا۔ اور آگ جلا دی تھی۔ تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی فوج سے شمر ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا۔ اے حسین! قیامت سے پہلے ہی تم نے آگ قبول کر لی؟

حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔

دے رہے ہیں۔ کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مومنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔

اس پر ان کی بے قراریاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ اور شدتِ غم سے بے حال ہوگئیں "۔

یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک طولانی تقریر صبر و اقامت پر فرمائی۔ آپ نے کہا۔

"بہن! خدا سے ڈر، خدا کی تعزیت سے تسلّی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات اور توکّل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہیئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں "۔

(یعقوبی و ابن جریر)

پوری رات عبادت میں گزار دی

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز استغفار اور دعا و تضرع میں گذار دی۔ راوی کہتا ہے۔ دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسین بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے:۔

لا یحسبن[1] الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثماً ولھم عذاب مھین ۝

---

[1] دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس لئے ڈھیل

صفحہ ۱۴۵ پر

ساتھی ایکا کر لو۔ مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے۔ اور وہ نیکوکاروں کا حامی ہے۔"

آپ کی اہلِ بیت نے یہ کلام سُنا تو شدّتِ تاثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا۔ تاکہ انہیں خاموش کرائیں۔ اور کہا "ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خدا عباسؑ کی عمر دراز کرے"۔ (یعنی ابن عباس کی) راوی کہتا ہے۔ یہ جملہ اس لئے آپ کی زبان سے نکل گیا۔ کہ مدینہ میں عبداللہ بن عباس نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپ نے اس پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباس کی بات یاد آگئی پھر آپ نے از سرِ نو تقریر شروع کی۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا۔ اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا سیّد الشہدا حمزہ میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا ذوالجناحین حضرت جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سُنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں سیّدا شباب اھل الجنۃ (جنّت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچ ہے اور ضرور سچّا

"کیونکہ بالکل زد پہ ہے"

حضرت نے منع کیا "نہیں میں لڑائی میں پہل نہیں کرونگا" (ایضاً)

دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ الٰہی! ہر مصیبت میں تجھی پہ میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں میرا تو ہی پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں۔ دل کمزور ہو گیا۔ تدبیر نے جواب دیا۔ دوست نے بیوفائی کی۔ دشمن نے خوشیاں منائیں۔ مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے"

(شرح نہج البلاغۃ)

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپ نے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے، قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا۔

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو۔ اور میرے ساتھ انصاف کرو۔ تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے۔ لیکن اگر سُننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو۔ اور انصاف کرنے سے انکار کر دو۔ تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں، تم اور تمہارے

نہیں لکھا تھا؟"

آپ چلّا اُٹھے "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے۔ واللہ تم ہی نے لکھا تھا۔" اس کے بعد آپ نے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے بہتر ہے مجھے چھوڑ دو۔ میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں۔"

ذلّت منظور نہیں

یہ سُن کر قیس بن الاشعث نے کہا: "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالے کر دیں۔ وہ وہی برتاؤ کریں گے۔ جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"

آپ نے جواب دیا: "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص کیا تو چاہتا ہے۔ کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں، واللہ میں ذلّت کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔" (ابن جریر)

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلّائے۔

اے اہلِ کوفہ! عذابِ الٰہی سے ڈرو، ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اس وقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں۔ جب تک تلواریں نیام سے باہر نہیں نکلتیں۔ تم ہماری نصیحت

ہے۔ کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ، کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے۔ تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری سے پوچھو۔ سہیل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو۔ انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے۔ کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی کا بلاواسطہ نواسہ ہوں۔ کیا تم اس لئے مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے، کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟

کوفہ والوں کی یاد

آپ نے بار بار پوچھا۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا آخر آپ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے لیکر پکارنا شروع کیا۔ "اے اشعث بن ربعی، اے حجاب بن ابجر، اے قیس بن الاشعث، اے یزید بن الحارث، کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا۔ کہ پھل پک گئے۔ زمین سرسبز ہو گئی۔ نہریں اُبل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے جلد آیئے"۔ اس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں اور انہوں نے کہا "ہرگز نہیں، ہم نے تو

کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ تم حسین کا خون بہاؤ۔"

(ابن جریر و شرح نہج البلاغۃ)

حُر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملا سے روایت ہے۔ کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حُر بن یزید نے کہا: "خدا آپ کو سنوارے! کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑینگے؟" ابن سعد نے جواب دیا: "ہاں، واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم از کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے۔ اور ہاتھ شانوں سے اُڑ جائیں گے۔"

حُر نے کہا: "کیا ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابلِ قبول نہیں جو اس نے پیش کی ہیں؟"

ابن سعد نے کہا: "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کر لیتا۔ مگر کیا کروں، تمہارا حاکم منظور نہیں کرتا۔"

حُر بن یزید یہ سُن کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرّہ بن قیس تھا۔ حُر نے اس سے کہا: "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟"

بعد میں قرّہ کہا کرتا تھا: "حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک نہیں ہونا چاہتا۔ اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس کی شکایت حاکم سے نہ کروں۔" میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں" یہ

اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی محبت ٹوٹ جائے گی۔ اور ہم تم الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو! خدا نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمہیں اہلِ بیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبید اللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو۔ ان حاکموں سے کبھی تمہیں بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمہارے چہرے بگاڑیں گے تمہیں درختوں کے تنوں میں پھانسی دیں گے۔ اور نیکوکاروں کو چن چن کر قتل کریں گے بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی ہانی بن عمرو وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے ہیں کہ تمہیں یاد نہ رہے ہوں گے۔"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔ "بخدا ہم اُس وقت تک نہیں ٹلیں گے۔ جب تک حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں۔ یا اُنہیں امیر کے روبرو حاضر نہ کر لیں۔ یہ اُن کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا۔ "خیر اگر فاطمہ کا بیٹا سُمیّہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت اور نصرت کا مستحق ہے۔ تو کم از کم اولادِ رسول کا اتنا تو پاس کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے اور اس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو۔ تاکہ آپس میں اتنا معاملہ طے کر لیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش

پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قربان ہو جانا چاہتا ہوں کیا۔ آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟

حضرت نے شفقت سے فرمایا: "ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے۔ تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟"

اس نے کہا: "حُر بن یزید"

فرمایا: "تو حُر (یعنی آزاد) ہی ہے۔ جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے تُو دنیا میں اور آخرت میں انشاءاللہ حُر ہے"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا: "اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے۔ تاکہ خدا تمہیں اس امتحان سے بچا لے؟

لوگوں نے جواب دیا: "یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں جواب دیں گے۔"

عمر نے کہا: "میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا۔"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی۔ اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پہ شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اس کے جواب میں انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حرؑ نے امام حسینؑ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو۔ حرؑ خاموش ہو گیا۔ مہاجر کو شک ہوا۔ کہنے لگا۔

"تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے۔ کہ کوفہ میں سب سے بہادر کون ہے؟ تو تمہارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پہ نہیں آ سکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حرؑ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

بخدا میں جنّت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنّت کا انتخاب کر لیا ہے۔ چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکرِ حسین میں پہنچ گیا۔

حضرت حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر کہا "ابن رسول اللہ میں ہی وہ بدبخت ہوں۔ جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا۔ راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا۔ اور اس جگہ اُترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہ کریں گے۔ اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے۔ تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لئے آپ کے

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیئے اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقا زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ اور نیزے سیدھے کر دیئے۔ نیزوں کے منہ پہ گھوڑے بڑھ نہ سکے۔ اور لوٹنے لگے۔ حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کر دیئے۔

عام حملہ اب باقاعدہ جنگ جاری ہو گئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان نکلتے تھے۔ اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسینؑ کے طرف داروں کا پلّہ بھاری تھا جو سامنے آتا تھا۔ مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا "بیوقوفو! پہلے جان لو، کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پہ کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انہیں مار سکتے ہو۔ عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا۔ اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رُکی تو نظر آیا۔ کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسینؑ دوڑ کر لاش پہ پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ بھر کر فرمایا "مسلم، تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔

جنگ کا آغاز اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اُٹھائی اور لشکر حسینؑ کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو۔ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے"۔ پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ اور عبیداللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارزت طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا۔ کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا۔ اور پھر دونوں باہم دگر پیکار کرتے۔ لشکرِ حسین سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حضیر نکلنے لگے۔ مگر حضرت حسین نے انہیں منع کیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہو کر عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے"۔ یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا۔ آپ نے اس کی صورت دیکھ کر فرمایا۔ "بے شک، یہ مردِ میدان ہے"۔ اور اجازت دی۔ عبداللہ نے چند پھیروں میں دونوں زیر کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی۔ اور جنگ کی ترغیب دیتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدانِ جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسینؑ یہ دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔

فرمایا "اہلِ بیت کی طرف سے خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں"۔

سے بھی زیادہ بہادر ہوں۔)

خیمے جلا دیئے لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہو گئی۔ مگر کوفی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی۔ کہ لشکرِ امام مجتمع تھا۔ اور حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ جمع کر دیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کر سکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف چار پانچ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکامیاب رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا دینے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا یہ کچھ پروا نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا۔ اور اس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دیئے مگر کب تک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہو گیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جا چکے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر کلبی بھی جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے، قتل ہو چکا تھا۔ اس کی بیوی ام وہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدانِ جنگ میں بیٹھی اپنے

من قضیٰ نحبہ ومنہم من ینتظر وما بدلو تبدیلا" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے۔

(ابن جریر و کامل)

گھوڑے بیکار ہو گئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر ذالجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کر لیا۔ کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی۔ بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے۔ کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں لئے بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی۔ اور یہ شعر زبان پر تھا:۔

ان تعقروا بی فانا ابن الحر اشجع من ذی لبد هزبر

(اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کر دیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں خوفناک شیر

(میں نے قسم کھائی ہے۔ کہ قتل نہیں ہوں گا۔ جب تک قتل نہ کر لوں۔ اور مروں گا تو اسی حال میں مروں گا۔ کہ آگے بڑھ رہا ہوں گا۔)

اضربھم بالسیف ضربا مقصلا لانا کلا عنھم ولا مھلکا

(انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا۔ نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا۔)

زہیر کی شہادت

چند لمحوں کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چُور ہو کر گرے اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقعہ پر آپ کے میسرہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ لے لیا۔ اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

انا زھیر وانا ابن القین اذودھم بالسیف عن حسین

(میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں، اپنی تلوار کی نوک سے انہیں حسین سے دور کر دوں گا)

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسینؑ کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے۔

اقدم ھدیت ھادیا مھدیا فالیوم تلقی جدک النبیا

(بڑھ، خدا نے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کرے گا۔)

وحسنا والمرتضیٰ علیا ذوالجناحین الفتی الکمیا

مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی۔ اور یہ کہتی جاتی تھی "تجھے جنّت مبارک ہو"

شمر نے اُسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔

(ابن جریر شرح نہج البلاغتہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ صاندی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی۔ اور جناب حسینؑ سے عرض کیا۔ دشمن اب بالکل آپ کے قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ اُس وقت تک قتل نہیں ہونے پائیں گے، جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں، لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں۔ جس کا وقت قریب آگیا ہے"

یہ سُنکر حضرت نے سر اُٹھایا۔ اور فرمایا "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں۔ مگر دشمنوں نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی"

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگا دی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب ابن مظاہر بھی قتل ہو گئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے۔

الیت لا اقتل حتی اقتل ولن اصاب الیوم الا مقبلا

روتے ہو۔ ابھی چند لمحے بعد تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔"

انہوں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا: "ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے۔ اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔"

پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ"۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

ان کے بعد حنظلہ بن اسعد حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ اور باآوازِ بلند مخاطب ہوئے: "اے قوم! میں ڈرتا ہوں۔ عاد و ثمود کی طرح تمہیں بھی روزِ بد نہ دیکھنا پڑے۔ میں ڈرتا ہوں۔ تم برباد نہ ہو جاؤ۔ اے قوم! حسینؑ کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو، خدا تم پر عذاب نازل کر دے۔" بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبرؑ کی شہادت

غرضیکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے اب بنی ہاشم اور خاندانِ نبوت کی باری تھی سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبرؑ میدان میں آئے۔ اور دشمن پر حملہ کیا۔ ان کا رجز یہ تھا۔

انا علی بن حسین بن علی　　نحن ورب البیت اولی بالنبی

(میں علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں)

(اور حسن سے، علی مرتضےٰ سے، اور بہادر خوان جعفر طیار سے)

واسد اللہ الشہید الحیا

(اور شہید زندہ اسد اللہ حمزہ سے)

پھر دشمن کی طرف لوٹے۔ اور قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان پر تھے۔

قد علمت حقا بنو غفار وخندف بعد بنی نزار

(بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے)

لیضربن معشر الفجار بکل عضب معارم تبار

(کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اڑا دینگے)

یا قوم ذودا عن بنی الاحمر بالمشرفی والقنا الخطار

(اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو)

جابری لڑکے کی فداکاری

ان کے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے، زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انہیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں

میں بچانے کی بجائے اسے روند ڈالا۔

راوی کہتا ہے "جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں۔ حضرت حسینؑ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں "ان کے لئے ہلاکت جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے۔ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے۔ یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے۔ اور دوست باقی نہ رہے" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھا لی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا۔ اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے "میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب۔

مولودِ تازہ کی شہادت

حضرت حسینؑ پھر اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا۔ اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچہ کی روح اسی وقت پرواز کر گئی۔ آپ نے تیر اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا خون سے چلو بھرا اور اس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے

تا اللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

(قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا)

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرّہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے ایک راوی کہتا ہے، میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی۔ جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلّا رہی تھی۔ آہ! بھائی آہ! بھتیجے! میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم"۔ لیکن حضرت حسینؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خیمے میں پہنچا آئے پھر علی کی نعش اُٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا، وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا ہوا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اس کے سر پہ تلوار ماری نوجوان چلّایا: "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؑ بھوکے باز کی طرح ٹوٹے۔ اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اڑ چکا تھا زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ

جوش سے بے خود ہو گیا۔ اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے۔ اُس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہُوا دائیں بائیں دیکھتا چلا گیا۔ حضرتِ زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسینؑ نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رکھو، آنے نہ پائے۔" مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کرے گا" سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اسے سینے سے چمٹا لیا۔ اور فرمایا "صبر کر اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہنچا دیگا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسنؑ بن علی تک۔"

حضرت حسینؑ کی شہادت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہُوا۔ آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار جو خود اس جنگ میں شریک تھا روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسینؑ پر حملہ کیا۔ اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا۔ کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں

زیادہ عزیز ہے۔ اور محمدؐ خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں۔ الٰہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے۔

(ابو نعیم و ابن جریر وغیرہ)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہو گئے۔ ان میں سے ذیل کے نام مؤرخین نے محفوظ رکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) عبداللہ بن الحسین۔

ایک بچّے کی شہادت

ان سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کر کے آتے تھے۔ مگر وار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے۔ لیکن شمر ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہلِ بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو

سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے؟

تو نیز بر سرِ بام آچہ خوش تماشائیست

شمر کو سرزنش پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے۔ تو شمر اور اس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیّت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روزِ آخرت سے ڈرتے نہیں۔ تو کم از کم دنیاوی شرافت پہ تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو"۔

شمر نے جواب دیا۔ اچھا ایسا ہی کیا جائیگا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہیگا"۔

آخری تنبیہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے۔ کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا۔ آخر شمر ذالجوشن چلّایا "تمہارا برا ہو! کیا انتظار کرتے ہو کیوں کام تمام نہیں کرتے؟"

اب پھر ہر طرف سے نرغہ ہوا۔ آپ نے پکار کر کہا "کیوں میرے قتل پہ ایک دوسرے کو اُبھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پہ بھی خدا اتنا ناخوش نہ ہوگا۔ جتنا میرے قتل پہ ناخوش ہوگا"۔

شہادت مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کر دیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے

ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے۔ لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے۔ دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو۔ ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ جس طرح شیر کو دیکھ دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السّلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلّاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔ یہ وہ موقعہ تھا۔ جبکہ عمر بن سعد حضرت حسینؑ کے بالکل قریب ہو گیا۔ حضرت زینبؑ نے پکار کر کہا "اے عمر! کیا ابو عبداللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے"۔ عمر نے منہ پھیر لیا۔ مگر اس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا۔ اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر آپ نے ہاتھ منہ کی طرف اُٹھائے تو دونوں چلّو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ الٰہی میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے

عمر بن سعد نے اسے اندر بلا لیا۔ اور بہت خفا ہو کر کہنے لگے "واللہ تو مجنون ہے" پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا "پاگل ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!" (ابن حمریہ)

لوٹ کھسوٹ قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے۔ پھر آپ کے خیمے کی طرف بڑھے زین العابدین بستر پہ بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا۔ اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں"۔ لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی۔ کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟"

اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آ گیا۔ اور حکم دیا "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا اسباب لوٹا ہو واپس کر دے"

زین العابدین نے یہ سُنکر اپنی بیمار آواز سے کہا "عمر بن سعد خدا تجھے جزائے خیر دے۔ تیری زبان نے ہمیں بچا لیا"

نعش روند ڈالی عمر بن سعد کو حکم تھا۔ کہ حسین کی نعش گھوڑوں کے ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اس نے پکار کر کہا۔ اس کام کے لئے کون تیار ہے" دس آدمی تیار ہوئے۔ اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا۔

لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا: "سر کاٹ لے"۔ وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا۔ مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا۔ "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے"! پھر جوش سے اُترا اور آپ کو ذبح کیا۔ اور سر تن سے جُدا کر دیا۔

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے۔ کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر بیس کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے۔

قاتل سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا تھا۔ وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا۔ کہ کوئی دوسرا ان کا سر نہ کاٹ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کیا۔ اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمے کے سامنے کھڑا ہو کر چلّایا:۔

اوقر رکابی من فضۃ وذھبا انا قتلت الملک المحجبا

(مجھے سونے چاندی سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے)

قتلت خیر الناس انا وابا وخیرھم اذ ینسبون نسبا

(میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے۔)

قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس۔ یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسینؑ کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہے۔ کہ حسینؑ کا سر ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔

جب اُس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چلّا اُٹھے "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ اِن ہونٹوں پر رکھتے تھے۔ اور ان کا بوسہ لیتے تھے"۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا "خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا"

زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب لوگو! آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبیداللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک اِنسان قتل کرتا اور شریروں کو غلام بناتا ہے تم نے ذلّت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلّت قبول کرتے ہیں"

بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے۔ مگر صحیح یہی ہے۔ کہ

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داوخواہ کیست

اس جنگ میں حضرت حسینؑ کے ۷۲ آدمی مارے گئے۔ اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے۔ (ابن جریر۔ کامل۔ یعقوبی)

حضرت زینبؑ نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدانِ جنگ سے کوچ کیا۔ اہلِ بیت کی خاتونوں اور بچّوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔

قرہ بن قیس (جو شاہدِ عینی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسینؑ اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں۔ اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا لیکر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی ایسی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہا السّلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا "اے محمدؐ تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ، حسین ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قیدی ہیں۔ تیری اولاد مقتول ہے ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے"۔ راوی کہتا ہے۔ دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان کے بین سے رونے نہ لگا ہو۔ (ابن جریر)

۷۲ سر۔ پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر ذالجوشن

کو سنوارے۔ یہ تو محض ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا۔" خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔" اس پر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا۔" واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ٹھنڈا ہو جائے۔"

ابنِ زیاد نے مسکرا کر کہا۔" یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔"

زینب نے کہا۔" عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ تو دل کی آگ ہے۔"

ابن زیاد اور امام زین العابدینؑ

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدینؑ بن علیؑ بن الحسینؑ پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے ان کا نام پوچھا۔ انہوں نے کہا۔" علی بن الحسین۔" ابن زیاد نے تعجب سے کہا۔" کیا اللہ نے علیؑ بن الحسینؑ کو قتل نہیں کر ڈالا؟"

زین العابدینؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابن زیاد نے کہا۔" بولتا کیوں نہیں؟"

ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی۔

ابن زیاد اور حضرت زینبؑ

راوی کہتا ہے۔ جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے۔ تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہے؟" انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ ہیں"۔ عبید اللہ شماتت کی راہ سے چلایا "اُس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا ہے۔ اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا"

اس پر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اس خدا کے لئے جس نے ہمیں محمدؐ سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہے۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں، فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے"

ابن زیاد نے کہا "تو نے دیکھا۔ خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا"

حضرت زینب بولیں "ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی۔ اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دیگا۔ اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لوگے"

ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر

شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتحیاب کیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی۔ کذاب حسین بن علی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔۔۔۔"

یہ سُن کر عبداللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علیؓ کے مشہور صحابی ہیں۔ اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے۔ کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تُو ہے، نہ کہ حسین بن علی"۔ ابن زیاد نے یہ سُنکر انہیں قتل کرا ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؑ کا سر بانس پہ نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ غار بن ربیعہ کہتا ہے۔ جس وقت زحر بن قیس پہنچا۔ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے کہا "کیا خبر ہے"؟

حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ساٹھ حمائتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا۔ اور مطالبہ کیا کہ سب اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر ہلہ بول دیا۔ جب تلواریں ان کے سروں پہ پڑنے لگیں تو وہ اس طرح ہر طرف بھاگنے لگے۔ اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے۔ جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا

انہوں نے جواب دیا: "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے غلطی سے اسے مار ڈالا۔"

ابن زیاد نے کہا: "لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہے۔"

اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی (اللہ یتوفی الانفس حین موتہا وما کان لنفسٍ ان تموت الا باذن اللہ)

اس پر ابن زیاد چلّایا: "خدا تجھے مارے تو بھی انہیں میں ہے۔" پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا۔ انہیں بھی قتل کر ڈالے۔ لیکن زینب بیقرار ہو کر چیخ اٹھیں۔ "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ اگر تو مومن ہے۔ اور اس لڑکے کو ضروری قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال۔!"

امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا۔ "اے ابن زیاد اگر تو ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد اُن کے ساتھ کسی منصف آدمی کو بھیجنا۔ جو اسلامی معاشرت کے اصول پر اُن سے برتاؤ کرے۔" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔

(ابن جریر کامل وغیرہ)

ابن عقیف کا قتل:- اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسینؓ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلّایا "میں امیرالمومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں"۔

یزید یہ سُنکر خفا ہُوا۔ کہنے لگا "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا"۔

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا۔ اور امام زین العابدین سے مخاطب ہُوا "اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق مجھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی، اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"۔

امام زین العابدین نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ ما اصاب من مصیبۃٍ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر الکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور[1]

---

[1] تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ گئی ہو۔ یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے

بقیہ صفحہ ۱۷۸ پر

قلع قمع کر دیا۔ اس وقت اُن کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ اُن کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ اور گدھوں کی خوراک بن گئے ہیں۔"

یزید رونے لگا راوی کہتا ہے۔ یزید نے یہ سُنا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا: "بغیر قتل حسینؑ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیّہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگذر کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے! قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

(ابن جریر، کامل۔ تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تاثر یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

یفلقن ھاما من رجال عزّۃ علینا وھم کانوا حق واظلما

(تلواریں ایسوں کا سر پھاڑتی ہیں۔ جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہ ہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔)

پھر کہا: "واللہ! اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا۔"

تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ بات نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے پکار کر کہا "تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے۔

اس جرأت پر یزید کو غصہ آگیا، کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے۔ اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں۔"

زینب نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے۔ کہ تم ہماری ملّت سے نکل جاؤ۔ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔"

یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے۔"

زینب نے بلا تأمل جواب دیا "اللہ کے دین سے۔ میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے، تو نے تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے۔"

یزید چلّایا "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے۔"

زینب بولیں "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں۔ یہ گفتگو سُنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی لڑکا پھر کھڑا ہوا۔ اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا، اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا۔ "کہتا کیوں نہیں۔ ما اصابکم من مصیبۃٍ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔

پھر یزید دوسرے بچّوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انہیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ اُن کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسّف ہوا۔ اور کہنے لگا خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے۔ اگر تم سے اُس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا۔ نہ اُس حال سے تمہیں میرے پاس بھیجتا۔"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بن علی سے مروی ہے کہ "جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی لڑکا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی۔ اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ زیادہ سمجھ دار

ہ اس لئے کہ نقصان پہ افسوس نہ کرو۔ اور فائدہ پہ مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی، قتل کر ڈالا، خدا اسے بھی قتل کرے!"

حسینؑ کی اجتہادی غلطی

اس کے بعد یزید نے حاضرینِ مجلس سے کہا: تم جانتے ہو۔ یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؑ کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں۔ اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے۔ صحیح نہیں، علیؑ اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا۔ اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہُوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی تو بلا شبہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو خدا کی قسم کوئی بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی، وہ یہ آیت بالکل بھول گئے۔ اللھم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير۔

غضبناک آواز میں اسے ڈانٹ بتائی "دور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے"

یزید کا مشورہ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی روسا و امرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا "ان کے ساتھ وہی کیجئے۔ جو رسول اللہ انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے"

حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!"

اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہو گئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا۔ کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم اس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ ہندہ بن عبداللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالی اور باہر آکر یزید سے کہا "امیر المومنین کیا حسین بنت فاطمہ بنت رسول کا سر آیا ہے"

یزید نے کہا "ہاں! تم جاؤ رو۔ بین کرو۔ رسول اللہ کے نواسے اور

تھا۔ اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس سے میری قوت میں کمی ہی کیوں نہ ہو جاتی، لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت۔ ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر حسین کو جس نے لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؑ نے کہا تھا۔ میرے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لیں گے، یا مسلمانوں کی سرحد پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہیں مانی اور قتل کر دیا۔ ان کے قتل سے تمام مسلمانوں میں مجھے مغبوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

جب اہل بیت کو مدینے بھیجنے لگا۔ تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو! مجھ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا۔ جو ضرورت بھی پیش آئے۔ مجھے خبر دینا۔"

بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔!

پھر اہل بیت کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اس سے کہا "اے یزید، کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟"

یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی کی بیٹی۔ ایسا کیوں ہونے لگا"

فاطمہ نے کہا "نجدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی"

یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دونگا"

چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا۔ اُس سے دُگنا تگنا دے دیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح و شام کے کھانے میں علی بن حسینؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسنؓ کے کمسن بچے عمرو کو بلایا۔ اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑے گا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن سے جواب دیا۔ یوں نہیں۔ ایک چھُری مجھے دو اور ایک چھُری اسے دو۔ پھر ہماری لڑائی دیکھو!"

یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور عمرو بن حسن کو گود میں اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے۔!"

یزید کی زود پشیمانی

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا۔ اور بار بار کہتا "کیا حرج

قیدی ہیں۔ اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔)

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہؤا۔

مررت علی ابیات آل محمد　　فلم ارھا کعھدھا یوم حلت

(میں خاندانِ محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا۔ مگر وہ کبھی روئے نہ تھے جیسے اس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی۔)

فلا یبعد اللہ الدیار واھلھا　　وان اصبحت اھلھا قد تخلت

(خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دُور نہ کرے۔ اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں)۔

وان قتیلا الطف من آل ھاشم　　اوّل رقاب المسلمین فذلّت

(کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں)

وکانوا رجاء ثم صاروا رزیہ　　فقد عظمت تلک الرزایا وجلت

(ان مقتولوں سے دُنیا کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ یہ مصیبت کتنی بڑی اور سخت ہے)۔

الم تر ان الارض اصبحت مریضۃ　　لفقد حسین والبلاد اقشعرت

(کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہے۔ اور دُنیا کانپ رہی

اہل بیت کی فیاضی یزید نے اہل بیت کو اپنے معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے رستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا جب یہ منزل مقصود پہ پہنچ گئے تو حضرت زینب بنتِ علیؓ اور فاطمہ بنتِ حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا "یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں کہ تمہیں دیں"

اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا"

مدینہ میں ماتم اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل آئیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم　　ماذا فعلتم وانتم اخر الامم

(کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو)

بعترتی وباھلی بعد مقتدنے　　منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

(تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا۔ کہ ان میں سے بعض

عمرو بن العاصؓ

حضرت عمرو بن العاصؓ کی شجاعت، تدبّر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبّر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مؤرخین نے اتفاق کیا ہے۔ کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی۔ عمرو بن العاص، معاویہ بن ابوسفیان۔ زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر مل کر ایک ہو گئے۔ انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا۔ جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السّلام اور خلافتِ راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاصؓ کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبّر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا۔ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی۔"

ہے۔)

وقد اعوات تبکی السمأ مفقدہ وانجمہا تاحت علیہ وسلت

(آسمان بھی اس کی جدائی پر روتا ہے۔ ستارے بھی ماتم اور سلام بھیج رہے ہیں)۔ ؛

؛

حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش یہ بات پہلے سے سوچ لیتا۔ اے کاش، میں نے تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: "آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اس کی اپنی موت ہے"

(طبقاتِ ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راوی کہتا ہے۔ ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو بشارتیں نہیں دے چکے ہیں۔

انہوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے۔

زندگی کے تین دور

میرے پاس سب سے افضل دولت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گذری ہیں"

ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تو اس نے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اِن سے سوال کیا "میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے۔"

وہ بڑی سرگرمی سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سُنکر بڑی سنجیدگی سے کہا "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا۔ کہ تم مجھے موت کے مُنہ سے بچاؤ گے۔ کیونکہ تم سپاہی تھے۔ اور میدانِ جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اسے مجھ سے دُور کر دو۔"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے مُنہ تکنے لگے۔ پریشان تھے۔ کیا جواب دیں؟

اے ابو عبداللہ! دیر کے بعد انہوں نے کہا "واللہ ہم آپ کی زبان سے ایسی فضول بات سُننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے؟"

انہوں نے آہ بھری "واللہ یہ حقیقت میں خوب جانتا ہوں۔" انہوں نے

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مروں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں۔ نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اس وقت تک میرے قریب رہنا جب تک جانور ذبح کر کے ان کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمہاری موجودگی سے مجھے اُنس حاصل ہوگا۔ پھر میں جان لوں گا۔ کہ اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں"۔

(طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں بنتا کم ہوں

ہوش و حواس آخری وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے تو دیکھا۔ نزع کی حالت ہے۔ پوچھا "کیا حال ہے؟"

آپ نے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے"۔ (عقد الفرید و ابن سعد)

حضرت ابن عباس سے سوال جواب

حضرت عبداللہ ابن عباس عیادت کو آئے، سلام کیا، طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دُنیا کم بنائی۔ مگر دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے اور اُسے سنوارا ہوتا۔ جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لے جاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے۔ تو ضرور اسی کی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان

رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی۔ کہ کسی طرح قابو پاکر آپ کو قتل کر ڈالوں اگر اس حالت میں میں مرجاتا تو یقیناً جہنمی مرتا۔"

پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا "یا رسول اللہ ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "عمرو تجھے کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا "ایک شرط چاہتا ہوں۔ فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری تشفی ہو جائے۔" اس پر ارشاد ہوا "اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟ حج بھی مٹا دیتا ہے؟"

(یہ ابن عاص کی مشہور روایت ہے۔ جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

اس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا۔ اور نہ رسول اللہ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں۔ اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیوں کہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری امید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا۔ جس میں ہم نے بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

جب وہ خود اس منزل پہ پہنچے تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہ مقولہ یاد دلایا۔
ایک روایت میں ہے کہ خود ان کے بیٹے نے سوال کیا تھا۔ عمرو بن العاص نے
ٹھنڈی سانس لی "جان من!" انہوں نے جواب دیا۔ موت کی صفت بیان نہیں
ہو سکتی۔ موت ناقابلِ بیان ہے۔ لیکن میں اس وقت صرف ایک اشارہ کر سکتا
ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان زمین پہ ٹوٹ پڑا ہے اور میں دونوں
کے درمیان پھنس گیا ہوں۔ (الکامل جلد ۱)

گویا میری گردن پہ ضخیم پہاڑ رکھے ہیں۔ گویا میرے پیٹ میں کیکر کے کانٹے
بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔" (ابن سعد)

دولت سے بیزاری

اسی حال میں انہوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے
کہا "اسے لے لے۔"

آپ کے بیٹے عبداللہ کا زہد مشہور ہے۔ انہوں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت
نہیں۔" عمرو نے کہا "اس میں دولت ہے۔"

عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اس پہ ہاتھ مل کر کہنے لگے "کاش! اس میں سونے
کی بجائے مکڑی کی مینگنیاں ہوتیں۔" (الکامل جلد ۱)

دعا

جب بالکل آخری وقت آگیا تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان
کی طرف اٹھا دیئے مٹھیاں کس لیں۔ اور دعا کے لئے یہ کلمات زبان

اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں نہ پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں۔"

ابن عباس نے جواب دیا۔ "اے عبداللہ اب وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے۔ وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟

عمرو بن العاص یہ جواب سُنکر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے۔ کیسی سخت گھڑی ہے؟ کچھ اوپر اسّی برس کا سن ہے اے عباس! تو مجھ پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے۔ الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے۔ یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے۔ اور تیری خوشنودی لوٹ آئے۔

ابن عباس نے کہا۔ "ابو عبداللہ! آپ نے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی۔ اور اب جو دے رہے ہو، وہ چیز پرانی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

اس پر وہ آزردہ خاطر ہو گئے۔ ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کرتا ہوں اسے کاٹ دیتا ہے۔

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے۔ جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں۔ مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔ لوگوں کو یہ بات یاد تھی۔

حجاج بن یوسف

خلافت اموی کے حکام میں حجاج بن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی مگر یہ شہرت عدل و فیض رسانی کی نہیں تھی۔ سیاست و قہر کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہو گیا ہے۔ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا جس نے اپنی بے پناہ تلوار سے اور بے دریغ سفاکی سے از سر نو اس کی گری ہوئی عمارت مستحکم کر دی۔

بنی اُمیّہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبداللہ ابن الزبیر سے تھا۔ اُن کی حکومت کا مرکز مکّہ میں تھا۔ اور اس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دُور کر دیا۔ مکّہ کا محاصرہ کیا۔ کعبہ پر منجنیقیں لگا دیں۔ اور عبداللہ بن الزبیر کو نہایت سفاکی سے قتل کر ڈالا۔

عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے۔ اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی۔ خود اس عہد کے لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے

پر تھے۔" الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہم نے حکم عدولی کی۔ الٰہی تو نے منع کیا اور ہم نے
نافرمانی کی۔ الٰہی! میں بے قصور نہیں ہوں۔ کہ میں معذرت کروں۔ بلا قصور نہیں
ہوں کہ غالب آجاؤں۔ اگر تیری رحمت شاملِ حال نہ ہوگی۔ تو ہلاک ہو جاؤں گا

(ابن سعد الکامل)

اس کے بعد تین مرتبہ کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔

بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پہ سیسے کی مہریں لگا دیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا۔ موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا۔ حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے۔ اور حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں۔

اس عہد کے عرفاء و صلحا حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے۔ حجاج اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دُور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اس نے فرمایا ہے۔

"ولقد اخذناھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرّعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اس کی موت کی خبر سُنی گئی۔ حضرت حسن اور عمر بن عبدالعزیز سجدے میں گر پڑے "اس امت کا فرعون مر گیا" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا۔

اب دیکھنا چاہیئے، اس جابر و قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا۔ خود اس میں کیسے اُترا؟

بیماری عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ برس کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے۔ اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی۔ کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھ دی جاتی تھیں۔ پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔

تھے "کوفہ والوں کی خودداری اور نخوت اب کیا ہوگئی؟ انہوں نے امیر المومنین علیؑ کو قتل کیا۔ حسین بن علیؑ کا سر کاٹا۔ مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کر دیا۔ مگر اس بدصورت ملعون! (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے۔ کوفہ میں ایک لاکھ عرب موجود ہیں۔ مگر یہ خبیث ۱۲ سوار لے کر آیا۔ اور غلام بنا ڈالا۔"

حجاج کا عراق میں اوّلین خطبہ ادب عربی کی مشہور چیز ہے۔ کہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔ اما واللہ انی لاحمل الشر بحملہ واخذوہ بنعلہ واجزیہ بمثلہ وانی لاری ابصارا طامحۃ واعناقا منتظرۃ ورؤسا قد اینعت وحان قطافھا وکانی انظر الی الدماء بین العمائم واللحی تشرقن۔

حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی۔ اتنی ہی اس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اس کا یہ خطبہ خطیبانہ رنگ کا بے نظیر نمونہ ہے۔ "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں۔ گردنیں اونچی ہو رہی ہیں۔ سروں کی فصل پک چکی ہے۔ اور کٹائی کا وقت آگیا ہے۔ میری نظریں وہ دیکھ رہی ہیں۔ جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے۔" حجاج نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا۔

بیان کیا گیا ہے۔ کہ جنگوں کے علاوہ حالتِ امن میں اس نے ایک لاکھ ۵۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے۔ (عقد الفرید البیان والتبیین وغیرہ)

بڑے بڑے اکابر و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اڑا دیں۔ مدینہ میں

ولید بن عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھوایا :-

اما بعد، میں تمہاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا۔ گلہ بان کو طمانچہ مارا اور چراگاہ خراب کر ڈالی آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی مجھے امید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتے ہیں "

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا :-

اذا ما بقیت اللہ عنی راضیا فان شفاء النفس فیما ھنالک

(اگر میں نے اپنے خدا کو راضی پا لیا۔ تو بس میری مراد پوری ہو گئی۔)

فحسبی بقاء اللہ من کل میت وحسبی حیاۃ اللہ من کل ھالک

(سب مر جائیں مگر خدا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے)

لقد ذاق ھذا الموت من کان قبلنا ونحن نذوق الموت من بعد ذالک

(ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں۔ ہم بھی ان کے بعد موت کا مزہ چکھیں گے)

فان مت فاذکر فی بذکر محبتی فقد کان جمانی رضاک مسالکی

(اگر میں مر جاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا۔ کیونکہ تمہاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں)

موت پر خطبہ جب زندگی سے نا اُمیدی ہوگئی۔ تو حجاج نے گھر والوں سے کہا" مجھے بٹھا دو۔ اور لوگوں کو جمع کرو" لوگ آئے تو اُس نے حسبِ عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ موت اور سختیوں کا ذکر کیا۔ قبر اور اس کی تنہائی کا بیان کیا۔ دُنیا اور اس کی بے ثباتی یاد کی۔ آخرت اور اس کی ہولناکیوں کی تشریح کی اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا۔ پھر یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہوگئے۔

ان ذنبی وزن السموات والارض وظنی بخالقی ان یحابی

(میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں۔ مگر مجھے اپنے خالق سے امید ہے کہ رعایت کریگا)

فلئن من بالرضا منہ فھو ظنی ولئن مر یا لکتاب عذابی

(اگر اپنی رضامندی کا احسان مجھے دے تو یہی میری اُمید ہے۔ لیکن اگر وہ عدل کرکے میرے عذاب کا حکم دے۔)

لم یکن ذالک منہ ظلما وھل یظلم رب یرجی لحسن مآب

(تو یہ اس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی کی توقع کی جاتی ہے)

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا۔ کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا۔

خلیفہ کے نام خط:۔ اس کے بعد اس نے اپنا کاتب طلب کیا۔ اور خلیفہ

ہوتے ہیں۔ اس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون و ہامان کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی ملت ترک کر دی تھی۔ راہِ حق سے کٹ گیا تھا۔ ضالین کے طور طریقہ سے دور ہو گیا تھا۔ تو نے نیک انسان قتل کر کے ان کی جماعت فنا کر ڈالی، تابعین کی جڑیں کاٹ کر ان کا پاک درخت اکھاڑ پھینکا۔ افسوس، تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کی۔ تو نے خون کی ندیاں بہا دیں۔ جانیں لیں۔ آبادیاں برباد کیں۔ کبر و جبر کی روش اختیار کی۔ تو نے اپنا دین ہی بچایا، نہ دنیا ہی پائی تو نے خاندانِ مروان کو عزت دی۔ مگر اپنا نفس ذلیل کیا۔ ان کا گھر آباد کیا۔ مگر اپنا گھر ویران کر لیا۔ آج تیرے لئے نہ نجات ہے نہ مزید۔ کیونکہ تو آج کے دن اور اس کے بعد بعد سے غافل تھا۔ تو اس امت کے لئے مصیبت اور قہر تھا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ اس نے تیری موت سے امت کو راحت بخشی۔ اور تجھے مغلوب کر کے اس کی آرزو پوری کر دی۔

حجاج کی عجیب رحمت طلبی

راوی کہتا ہے۔ حجاج یہ سن کر مبہوت ہو گیا۔ دیر تک سناٹے میں رہا۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔

الٰہی مجھے بخش دے۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ تو مجھے نہیں بخشے گا! پھر یہ شعر پڑھا:۔

والا فقی وبر الصلوٰۃ بدعوۃ یلقی بھا المسجون فی نار مالک

(یہ نہیں تو کم از کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہنچے)

علیک سلام اللہ حیاً ومیتاً ومن بعد ما تحیا عتیقاً المالک

(تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جاؤ)

سکراتِ موت کے شدائد

حضرت حسن بصری عیادت کو آئے تو حجاج نے ان سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسنؓ نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا۔ کہ نیکوکاروں کو نہ ستا۔ مگر افسوس تم نے نہیں سُنا۔

حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا "میں تم سے یہ نہیں کہتا۔ کہ اس مصیبت کے دُور کرنے کی دُعا کرو۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کر لے اور اب زیادہ عذاب نہ دے"

اسی اثنا میں ابو منذر یعلیٰ بن مخلد مزاج پُرسی کو پہنچے۔

"حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟ انہوں نے سوال کیا؟

"اے یعلیٰ!" حجاج نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابلِ بیان الم۔ ناقابلِ برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! اگر اس جبار قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے اُنہیں بندوں پر رحم کھاتا ہے۔ جو رحمدل اور نیک نفس

معاویہؓ بن ابی سفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے۔ عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبّر، پورے تناسب سے اِس دماغ میں جمع ہو گیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ ان کی تدبیر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب رہی۔ وہ اس عہد کے ایک پورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اور لوگوں میں ان کی موت کے چرچے ہونے لگے تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد یزیدؒ جسے جبراً بزورِ شمشیر ولی عہد منوایا گیا دارالخلافہ سے دور تھا۔ اور انبری پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا۔ انہوں نے فوراً اپنے ثمّار داروں سے کہا۔

"میری آنکھوں میں خوب سُرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو" حکم کی تعمیل کی گئی۔ سُرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کر دی۔ پھر انہوں نے حکم دیا۔

"میرا بچھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے تکیے لگاؤ" اس حکم کی بھی

رب ان العباد قد أیاسونی ورجائی لک الفداء عظیم

(الٰہی! بندوں نے مجھے نا اُمید کر ڈالا۔ حالانکہ میں تجھ سے بڑی ہی اُمید رکھتا ہوں)

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس میں شک نہیں، رحمت الٰہی کی بے کنار وسعت دیکھتے ہوئے اس کا یہ انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے۔ اور اس باب میں بے نظیر مقولہ ہے یہی وجہ ہے۔ کہ جب حضرت حسن بصری سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا۔ تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے "کیا واقعی اس نے یہ کہا" کہا گیا "ہاں اُس نے ایسا ہی کہا ہے" فرمایا "تو شاید!"

یعنی اب شاید بخشش ہو جائے

ذ

ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم سے بیوفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنا دیا۔ آہ یہ دُنیا کتنی خراب جگہ ہے۔ یہ دُنیا کیسا بُرا مقام ہے۔"

(احیاء علوم الدین جلد ۶)

آخری خطبہ امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:۔

"اے لوگو! میں اس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے وہ مجھ سے بُرے ہونگے۔ بالکل اسی طرح جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔"

(احیاء جلد ۴)

حسرت جب وقت آخر ہوا۔ تو کہا: مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھا دیئے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے۔ اور کہا:۔

"معاویہ اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے۔ جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اس وقت کیوں خیال نہ آیا۔ جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی۔

پھر چلّا کر روئے اور دعا کی "اے رب! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر، الٰہی اس کی ٹھوکریں معاف کر دے، اس کے گناہ بخش دے، اپنے وسیع حلم کو اس کے شامل حال کر جس نے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی۔ تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔"

(احیاء جلد ۴)

بیٹیوں سے خطاب ۔ تیمارداری ان کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں ایک

تعمیل کی گئی۔

پھر کہا۔

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں۔ اور کھڑے کھڑے سلام کر کے رخصت ہو جائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے"!

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کر کے باہر جاتے۔ تو آپس میں کہتے۔ کون کہتا ہے۔ خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تر و تازہ اور تندرست ہیں" جب سب لوگ چلے گئے۔ تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:۔

وتجلد المشامتین اریھم انی لریب الدھر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا۔ میں انہیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں۔ کہ زمانے کے مصائب مجھے مغلوب نہیں کر سکتے۔!

(طبری جلد ۶)

دُنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت میں قریش کی ایک جماعت عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا "دُنیا آہ دُنیا" اس کے سوا کچھ نہیں۔ جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دُنیا کی بہار کی طرف دوڑے۔ اور اس کے سب مزے لوٹے۔ مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کر دی۔ ایک ایک کر کے تمام گرہیں کھول

نصیحت:- پھر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی۔ اور اپنے عزیزوں کو دیکھ کر کہا:-

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہے۔ خدا اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں۔ جو خدا سے بے خوف ہے۔" (طبری)

یزید کی آمد امیر معاویہ کی نازک حالت سے قاصد کے ذریعہ ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ اس نے باپ کو پکارا۔ مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا۔ اور یہ شعر پڑھے۔

لو عاش حی الدنیا لعاش انا والناس لا عاجز ولا کل

(اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلاشک آدمیوں کا امام زندہ رہتا وہ نہ عاجز ہے نہ کمزور ہے)

الحول القلب والاریب ولن یدفع وقت المنیۃ الحیل

(وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فہیم ہے۔ لیکن موت کے وقت کوئی تدبر کسی کام نہیں آیا)

یزید سے خطاب معاویہ نے یہ سنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا "اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہونے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ نے میرا کرتہ دیکھا۔ وہ مونڈھے سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا: "معاویہ! تجھے کرتہ پہنا دوں؟"

مرتبہ انہیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اس نے دُنیا بھر کے خزانے جمع کر لئے۔ لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:-

لقد سعیت لکم من سعی ذی تعب ۔۔۔ وقد کفیتکم التطواف والرجلا

(میں نے تمہارے لئے سخت محنت سے کوشش کی اور دربدر ٹھوکریں کھانے سے بے پروا کر دیا) (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے پہلے اشہب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اس نے قباح کی مدح میں کہے تھے:-

اذا مت الجود انقطع الندی ۔۔۔ من الناس الا من قلیل ومصرد

(تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مر جائے گی)

وردت اکف السائلین وامسکوا ۔۔۔ من الدین والدنیا فخلف مجدد

(سائلوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور دین اور دُنیا کی محرومیاں ان کے انتظار میں ہوں گی۔)

یہ سُنکر لڑکیاں چلّا اٹھیں "ہرگز نہیں، امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے!"

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا:-

واذا المنیہ انشبت اظفارہا ۔۔۔ الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

(جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے۔ تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچا سکتا۔)

جاء البريد بقرطاس نجيب به　　فارحس القلب من قرطاس قرعا

(قاصد خط لئے دوڑا ہؤا آیا۔ تو قلب خوفزدہ ہو گیا۔)

قلنا لك الويل ماذا في كتابكم　　قالوا الخليفة اسى مثبتا وجعا

(ہم نے کہا، تیری ہلاکت! خط میں کیا ہے؟ کہنے لگا۔ خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہے)

فمادت الارض او كادت تميد بنا　　كان اغبر من اركانها انقلعا

(قریب تھا۔ زمین ہمیں لیکر جھک جائے۔ گویا اس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہے)

اودى ابن هند اودى المجد يتبعه　　كانا جميعا قطلا لسيران معا

(ہند کا لڑکا (معاویہ) مر گیا۔ اور عزت بھی مر گئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اب بھی دونوں ساتھ جا رہے ہیں)

لا يرفع الناس ما اوهى وان جهدا　　ان يرفعوه ولا يوهون ما رفعا

(جو گر رہا ہے، اسے آدمی لاکھ کوشش کریں، اُٹھا نہیں سکتے اور جو اُٹھ رہا ہے اسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔)

اعز ابلج يستنفى الغمام به　　لو قاءع الناس عن احلامهم قرحا

(مبارک اور خوبصورت جس کے واسطے سے بارانِ رحمت طلب کیا جاتا ہے اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائے گا)

(استیعاب طبری)

میں نے عرض کیا: "میں آپ پر قربان! ضرور" ضرور چنانچہ آپ نے کُرتہ عنایت کیا۔ مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ میرے پاس اب تک موجود ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلعم نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اُٹھا لئے تھے۔ وہ بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں، دیکھ جب میں مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلعم کا کُرتہ بچھا کر اس پر لٹانا۔ اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے (استیعاب۔ عقد الفرید)

سکرات موت ۔ سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:۔

فهل من خالد اما ملكنا وهل بالموت يا للناس عار

(اگر ہم مرجائیں گے۔ تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہے) (استیعاب)

وفات :۔ عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے :۔

الا ليتني لم اعن في الملك ساعة ولم اك في اللذات اعشى النواظر

(کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی۔ کاش لذتیں حاصل کرنے میں میں اندھا نہ ہوتا)

وكنت كذي طرين عاشق مبلغة ليالي حتى زار ضتد المقابر

(کاش میں اس فقیر کی طرح ہوتا۔ جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے) (عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ ۔ یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے :۔

حضرت خبیبؓ

دشمن جب محلّہ چھوڑ دے یا شہر سے نکل جائے تو سکون مل جاتا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے جب چھوڑا، اور تمام جائدادیں کفّار کے حوالے کر کے مکّہ سے ۳۰۰ میل دُور مدینہ میں جا آباد ہوئے۔ تو کفّار پہلے سے بھی زیادہ بیقرار ہو گئے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے اُنہیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ مسلمان الگ رہ کر تیاری کریں گے۔ اہلِ عرب رسول اللہ کی دعوت کو قبول کر لیں گے، اور جب یہ قطرہ دریا بن گیا تو ہماری سرداری کا جاہ و جلال، اسلام کے سیلابِ حق کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہ جائے گا۔

مدینہ پہنچکر مسلمانوں کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قریش مکّہ نے اپنی دماغی پریشانیوں کے ماتحت خود ہی "آ بیل مجھے مار" کی روش اختیار کر لی تھی۔ جب بدر اور اُحد کے میدانوں میں اُن کے تیغ آزماؤں کا زعم باطل بھی ختم ہو گیا۔ تو وہ سازش کے جال بچھانے لگے۔ انہوں نے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو رسول اللہ کے پاس بھیجا۔ اور کہلوایا "اگر آپ ہمیں چند مبلّغ عنایت فرما دیں تو ہمارے تمام قبیلے مسلمان ہو جائیں گے"۔ حضورؐ نے عاصم بن ثابتؓ کی ماتحتی

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا۔ اور حسبِ ذیل خطبہ دیا۔ "تمام ستائش اس خدا کے لئے ہے۔ جو اپنی مشیّت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔ کسی کو عزّت دیتا ہے۔ کسی کو ذلّت دیتا ہے۔ لوگو! معاویہ خدا کی رسّیوں میں ایک رسّی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اسے دراز کیا۔ پھر اسے اپنی مشیّت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیشروؤں سے کمتر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرونگا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اگر اسے درگذر کرے تو یہ اس کی رحمت ہے۔ اگر اسے عذاب دے تو یہ اس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اس کے بعد برسرِ حکومت آیا۔ نہ سرکش ہوں۔ نہ کمزور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہے بدل ڈالتا ہے۔ اگر پسند کرتا ہے تو آسان کر دیتا ہے۔"

☆

خبیبؓ نے عورت کی تکلیف محسوس کی تو فرمایا:- بی بی! تم مطمئن رہو، میں بچے کو ذبح نہیں کرونگا۔ مسلمان ظلم نہیں کیا کرتے ـــــ ان الفاظ کے ساتھ ہی خبیبؓ نے گود کھول دی۔ معصوم بچہ اُٹھا اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔

قریش نے چند روز انتظار کیا، جب فاقہ کشی کے احکام اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو قتل کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ کھلے میدان میں ایک ستون نصب تھا اور یہ اپنی بے بسی پہ رو رہا تھا۔ اُس کے چاروں طرف بیشمار آدمی ہتھیار سنبھالے کھڑے تھے۔ بعض تلواریں چمکا رہے تھے، بعض نیزے تان رہے تھے، بعض کمان میں تیر جوڑ کر نشانہ ٹھیک کر رہے تھے کہ آواز آئی: "خبیب آ رہا ہے"۔ مجمع میں ایک شور محشر بپا ہو گیا۔ لوگ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ بعض لوگوں نے مستعدی سے ہتھیار سنبھالے اور حملہ کرنے اور خون بہانے کے لئے تیار ہو گئے۔

مرد صالح خبیبؓ قدم بہ قدم تشریف لائے۔ اور اُنہیں صلیب کے نیچے کھڑا کر دیا گیا۔ ایک شخص نے اُنہیں مخاطب کیا اور کہا "خبیب! ہم تمہاری مصیبت سے دردمند ہیں۔ اگر اب بھی اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے"۔

حضرت خبیبؓ خطاب کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو پھر جان بچانا بیکار ہے"ـــــ اس جواب کی تاثیر قدرتی بجلی کی طرح پر شور بھیڑ پہ گری، مجمع ساکت ہو گیا اور لوگ دم بخود رہ گئے۔

"خبیبؓ! کوئی آخری آرزو ہے تو بیان کرو"۔ ایک شخص نے کہا۔

میں کل دس بزرگ صحابہ کا وفد ان کے ساتھ بھیجدیا۔

ایک گھاٹی میں کفّار کے دو سو مسلح جوان مسلمانوں کے اس تبلیغی وفد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب مبلّغین اسلام یہاں پہنچے تو بے نیام تلواروں نے بجلی بن کر اُن کا استقبال کیا۔ مسلمان اگرچہ اشاعتِ قرآن کے لئے گھروں سے نکلے تھے۔ مگر تلوار سے خالی نہ تھے۔ احساسِ خطرہ کے ساتھ ہی دو سو کے مقابلے میں دس تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ آٹھ صحابی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور خبیبؓ بن عدیؓ اور زید بن دثنہ دو شیروں کو کفّار نے محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا۔ سفیان ہزلی انہیں مکّہ لے گیا۔ اور یہ دونوں صالح مسلمان نقد قیمت پر مکّہ کے درندوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے گئے۔

حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو حارث بن عامر کے گھر ٹھہرایا گیا۔ اور پہلا حکم یہ دیا گیا کہ اُنہیں روٹی دی جائے اور نہ پانی۔ حارث بن عامر نے حکم کی تعمیل کی اور کھانا بند کر دیا گیا۔

ایک دن حارث کا نو عمر بچّہ چھُری سے کھیلتا ہوا حضرت خبیبؓ کے پاس پہنچ گیا۔ اس مردِ صالح نے جو کئی روز سے بھوکا اور پیاسا تھا۔ حارث کے بچے کو گود میں بٹھا لیا۔ اور چھُری اس کے ہاتھ سے لیکر زمین پر رکھ دی۔ جب ماں نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت خبیبؓ چھری اور بچّہ لئے بیٹھے تھے۔ عورت چونکہ مسلمانوں کے کردار سے ناواقف تھی یہ حال دیکھ کر لڑکھڑا گئی اور بے تابانہ چیخنے لگی۔ حضرت

"اے مجاہد اسلام! وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ!"

مردِ مجاہد خبیبؓ سلام پھیر کر صلیب کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ کفار نے انہیں پھانسی کے ستون کے ساتھ جکڑ دیا اور پھر نیزوں اور تیروں کو دعوت دی۔ کہ وہ آگے بڑھیں اور اُن کے صدق و مظلومیّت کا امتحان لیں۔ ایک شخص آگے آیا اور اُس نے خبیبؓ مظلوم کے جسم پاک کے مختلف حصّوں پر نیزے سے ہلکے ہلکے چرکے لگائے۔ اور وہی خونِ اطہر جو چند ہی لمحے پیشتر حالت نماز میں شکر و سپاس کے آنسو بن کر آنکھوں سے بہا تھا۔ اب زخموں کی آنکھ سے شہادت کے مشکبو قطرے بن کر ٹپکنے لگا۔ پیکرِ صبر خبیبؓ کے دردناک مصائب کا تصوّر کیجئے۔ آپ ستون کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ کبھی ایک تیر آتا ہے اور دل کے پار ہو جاتا ہے، کبھی نیزہ لگتا ہے اور پسلی کو چیر دیتا ہے۔ اُن کی آنکھیں آتے ہوئے تیروں کو دیکھ رہی ہیں۔ اُن کے عضو عضو سے خون بہہ رہا ہے۔ مگر درد و تکلیف کی اس قیامت میں بھی اُن کا دل اسلام سے نہیں ٹلتا۔

ایک اور شخص آگے آیا اور اُس نے حضرت خبیبؓ کے جگر پر نیزے کی انی رکھ دی۔ پھر اس قدر دبایا کہ وہ کمر کے پار ہو گئی۔ یہ جو کچھ ہوا حضرت خبیب کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ حملہ آور نے کہا: "اب تو تم بھی پسند کرو گے کہ محمدؐ یہاں لگ جائیں اور تم اس مصیبت سے چھوٹ جاؤ"۔ پیکرِ صبر خبیبؓ نے

"کوئی آرزو نہیں، دو رکعت نماز ادا کرلوں گا" حضرت خبیبؓ نے فرمایا۔

"بہت اچھا، فارغ ہو جاؤ" ہجوم سے آوازیں آئیں۔

پھانسی گڑی ہوئی ہے، حضرت خبیبؓ اس کے نیچے کھڑے ہیں۔ تاکہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کریں۔ خلوص و نیاز کا اصرار ہے کہ زبانِ شاکر جو حمدِ حق میں کھل چکی ہے۔ اب کبھی بند نہ ہو۔ دستِ نیاز جو بارگاہِ کبریا میں بندھ چکے ہیں۔ اب کبھی نہ کھلیں۔ رکوع میں جھکی ہوئی کمر کبھی سیدھی نہ ہو، سجدے میں گرا ہوا سر کبھی خاکِ نیاز سے نہ اٹھے۔ ہر بنِ مو سے اس قدر آنسو بہیں کہ عبادت گذار کا جسم تو خون سے خالی ہو جائے۔ مگر اس کے عشق و محبت کا چمن اس انوکھی آبیاری سے رشکِ فردوس بن جائے۔

حضرت خبیبؓ کا دل محبت نواز، عشق و نیاز کی لذتوں میں ڈوب چکا تھا۔ کہ عقلِ مصلحت کیش نے انہیں روکا۔ اور ایک ایسی آواز میں جسے صرف شہیدوں کی روح ہی سن سکتی ہے، انہیں روحِ اسلام کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ اگر نماز زیادہ لمبی کرو گے تو کافر یہ سمجھے گا کہ مسلمان موت سے ڈر گیا ہے۔ اس پیغامِ حق کے ساتھ ہی حضرت خبیبؓ نے دائیں طرف گردن موڑ دی اور کہا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ کفار نہیں بولے۔ مگر ان کی کھنچی ہوئی تلواروں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اب آپ نے بائیں طرف گردن موڑی اور کہا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کفار اب بھی خاموش رہے۔ مگر نیزوں کی انیاں اور تیروں کی زبانیں رو رو کر پکاریں۔

(۵) میں دشمن کے سامنے گردن نہیں جھکاؤں گا۔ میں فریاد نہیں کروں گا۔ میں خوفزدہ نہیں ہوں گا، اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اب اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔

(۶) میں موت سے نہیں ڈر سکتا۔ اس لئے کہ موت بہر حال آنے والی ہے، مجھے صرف ایک ہی ڈر ہے اور وہ دوزخ کی آگ کا ڈر ہے۔

(۷) مالک عرش نے مجھ سے خدمت لی ہے اور مجھے صبر و ثبات کا حکم دیا ہے۔ اب کفار نے زدوکوب سے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔ اور میری تمام اُمیدیں ختم ہو گئی ہیں۔

(۸) میں اپنی عاجزی، بے وطنی، اور بے بسی کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں۔ نہیں معلوم، میری موت کے بعد ان کے کیا ارادے ہیں؟ کچھ بھی ہو، جب میں راہِ خدا میں جان دے رہا ہوں تو یہ جو کچھ بھی کریں گے مجھے اُس کی پرواہ نہیں ہے۔

(۹) مجھے اللہ کی ذات سے اُمید ہے۔ کہ وہ میرے گوشت کے ایک ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا۔ اے اللہ! جو کچھ آج میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ اپنے رسول کو اس کی اطلاع پہنچا دے۔

حضرت سعید بن عامرؓ حضرت فاروق اعظمؓ کے عامل تھے۔ بعض اوقات آپ کو بیٹھے بیٹھے دورہ پڑتا۔ اور آپ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑتے، ایک دن حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا۔ آپ کو یہ کیا مرض ہے؟ جواب دیا!

جگر کے چیر کے کو دل کی حوصلہ مندی سے برداشت کر لیا۔ مگر یہ زبان کا گھاؤ برداشت نہ ہوا۔ اگرچہ زبان کا خون بچڑ چکا تھا۔ مگر جوشِ ایمان نے اس خشک ہڈی میں بھی تابِ گویائی پیدا کر دی اور آپ نے جواب دیا "اے ظالم! خدا جانتا ہے کہ مجھے جان دے دینا پسند ہے۔ مگر یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ کے قدموں میں ایک کانٹا بھی چبھے"۔

نماز کے بعد حضرت خبیبؓ پر جو جو حالتیں گزریں، آپ بے ساختہ شعروں میں انہیں ادا فرماتے رہے۔ ان اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

(۱) لوگ ابنوہ در ابنوہ میرے گرد کھڑے ہیں، قبیلے، جماعتیں اور جتھے، یہاں سب کی حاضری لازم ہو گئی ہے۔

(۲) یہ تمام اجتماع، اظہارِ عداوت کے لئے ہے، یہ سب لوگ میرے خلاف اپنے جوش و انتقام کی نمائش کر رہے ہیں۔ اور مجھے یہاں موت کی کھونٹی سے باندھ دیا گیا ہے۔

(۳) ان لوگوں نے یہاں اپنی عورتیں بھی بلا رکھی ہیں اور بچے بھی۔ اور ایک مضبوط اور اونچے ستون کے پاس کھڑا کر دیا گیا ہے۔

(۴) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں اسلام سے انکار کر دوں تو یہ مجھے آزاد کر دینگے مگر میرے لئے ترکِ اسلام سے قبولِ موت بہت زیادہ آسان ہے۔ اگرچہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ مگر میرا دل بالکل پُرسکون ہے۔

عبداللہ ذوالبجادین

ہر انسان، موت کے آئینے میں اپنے دل کی آپ بیتی کا مرقع دیکھ لیتا ہے اگر اُس نے اپنی زندگی میں حسد، نفاق، ریا اور بُرائی کے ساتھ عہد موت استوار رکھا ہو، تو موت یہی تحائف اُس کے سامنے لاکر رکھ دیتی ہے۔ اگر اُس نے محبّت، خلوص، خدمت اور دیانت کو شمع حیات بنایا ہو تو موت انہیں انوار کا گلدستہ بناتی ہے۔ اور اُس کی نذر کر دیتی ہے حضرت عبداللہ ذوالبجادین کا انتقال، "موت میں زندگی کے انعکاس" کی بہترین مثال ہے۔

قبولِ اسلام سے پہلے آپ کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ ابھی شیر خواری کی منزل میں تھے۔ کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نہایت غریب تھیں۔ اس واسطے چچا نے پرورش کا بیڑا اُٹھایا۔ جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام، سامان اور گھر بار دے کر ضروریات سے بے نیاز کر دیا۔ ہجرتِ نبوی کے بعد توحید کی صدائیں عرب کے گوشے گوشے میں گونجنے لگی تھیں اور ان کے کان میں برابر پہنچ رہی تھی، چونکہ لوحِ فطرت بے میل اور شفاف تھی۔ اس واسطے انہوں نے دل ہی دل میں قبولِ اسلام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسلامی آواز جو عرب کے

ہیں بالکل تندرست ہوں، اور مجھے کوئی مرض نہیں ہے جب حضرت
خبیب رضؓ کو پھانسی دی گئی تو میں اُس مجمع میں موجود تھا جب وہ ہوش ربا واقعات
یاد آجاتے ہیں تو مجھ سے سنبھلا نہیں جاتا۔ اور میں کانپ کر بے ہوش ہو
جاتا ہوں ؛

ناظرین! ذوالبجادین کی حالت کا اندازہ کیجئے، چچا کے الفاظ سے انہیں یوں معلوم ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے موجوداتِ عالم کو ایک مینڈھا بنا کر ان کے سامنے رکھ دیا ہے، اور پھر حکم دیا ہے "یہ ہے تمہاری ساری زندگی، اسے حضرت خلیل اللہ کی طرح ذبح کر دو" ذوالبجادین ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس ذبح عظیم کے لئے تیار ہو گئے اور فرمایا "اے عم محترم! میں مسلمان ضرور ہونگا۔ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور اتباع کرونگا، اب میں شرک و بُت پرستی کا ساتھ نہیں دے سکتا، آپ کا زر و مال آپ کے لئے مبارک اور میرا اسلام میرے لئے مبارک، تھوڑے دنوں تک موت ان چیزوں کو مجھ سے چھڑا دے گی۔ پھر یہ کیا بُرا ہے، اگر میں آج خود ہی انہیں چھوڑ دوں۔ آپ اپنا سب مال و اسباب سنبھال لیں، میں اس کے لئے دینِ حق کو قربان نہیں کر سکتا"

ذوالبجادین نے یہ کہا اور چچا کے تقاضا کے مطابق اپنا لباس اُتار دیا۔ جوتے اُتار دیئے۔ چادر اُتار دی۔ اور اس کے بعد تہ بند بھی اُتار کر اُن کے سپرد کر دیا۔ پھر چچا کے بھرے گھر سے اس طرح نکلے کہ خدائے واحد کے نام پاک کے سوا کوئی بھی اور چیز ساتھ نہ تھی۔ ؎

میں ہوں وہ گرمِ رہِ راہِ وفا جوں خورشید
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا مجھ کو

اس حال میں آپ اپنی ماں کے گھر میں داخل ہوئے۔ ماں نے انہیں مادر زاد

کسی گوشے میں بلند ہوتی، ان کے لئے ذوق و شوق کا تازیانہ بن جاتی۔ قبولِ اسلام کے لئے ہر روز قدم بڑھاتے۔ مگر چچا کے خوف سے پھر پیچھے ہٹا لیتے۔ انہیں ہر وقت اسی کا انتظار رہتا تھا کہ چچا اسلام کی طرف مائل ہوں۔ تو یہ بھی آستانۂ حق پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اس انتظار میں ہفتے گذرے، مہینے بیتے۔ اور سال ختم ہو گئے یہاں تک کہ مکّہ فتح ہو گیا۔ اور دینِ حق کی فیروزمندیاں، رحمتِ ایزدی کا ابرِ بہار بن کر کوہ و دشت پر پھول برسانے لگیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تطہیرِ حرم کے بعد مدینہ منوّرہ میں واپس تشریف لائے تھے کہ ذوالبجادین کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا۔ آپ چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "محترم چچا! میں کئی برسوں سے آپ کے قبولِ اسلام کی راہ تک رہا ہوں۔ مگر آپ کا حال وہی ہے، جو پہلے تھا۔ اب میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ آستانۂ اسلام پر سر رکھ دوں"۔

ذوالبجادین کو جس بات کا خطرہ تھا۔ وہی پیش آ گئی۔ اِدھر "قبولِ اسلام" کا لفظ ان کے لبوں سے باہر نکلا اُدھر چچا آپے سے باہر ہو گیا۔ اور کہنے لگا "اگر تم اسلام قبول کرو گے تو میں اپنا ہر سامان تم سے واپس لے لونگا، تمہارے جسم سے چادر اُتار لوں گا۔ تمہاری کمر سے تہ بند تک چھین لوں گا، تم اپنی دُنیا سے بالکل تہی دست کر دیئے جاؤ گے اور ایسے حال میں یہاں سے نکلو گے کہ تمہارے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی باقی نہیں ہو گا۔

تاروں کی چھاؤں میں مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آفتابِ ہدایت کے طلوع کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں صحنِ مسجد کے ذرات نے خوش آمدید کا ترانہ چھیڑا، معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ حضورؐ نے صحنِ مسجد میں قدم رکھا تو ذوالبجادین سامنے تھا۔

رسول اللہ۔ آپ کون ہیں؟

ذوالبجادین۔ ایک فقیر اور مسافر۔ عاشقِ جمال اور طالبِ دیدار۔ میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔

رسول اللہ۔ (حالات سُننے کے بعد) یہیں ہمارے قریب ٹھیرو اور مسجد میں رہا کرو۔

رسول اللہ نے "عبدالعزیٰ" کی بجائے عبداللہ نام رکھا اور اصحابِ صفہ میں شامل کر دیا۔ یہاں اللہ کا یہ موحد بندہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ قرآن پاک سیکھتا تھا اور آیاتِ ربانی کو دن بھر بڑے ہی ولولہ اور جوش سے پڑھتا رہتا تھا۔

حضرت فاروق! اے دوست! اس قدر اونچی آواز سے نہ پڑھو۔ کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو۔

رسول اللہ! اے فاروق! انہیں چھوڑ دو، یہ تو خدا اور رسول کے لئے سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔

برہنہ دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور پریشان ہو کر پوچھا "اے میرے بیٹے! تمہارا یہ کیا حال ہے"؟ ذوالبجادین نے کہا "اے اماں! اب میں مومن و موحد ہو گیا ہوں"۔ اللہ اللہ! "مومن اور موحد ہو گیا ہوں" کے الفاظ ان کے حال کے کس قدر مطابق تھے۔ انہوں نے اپنی مادی دنیا اپنے ہاتھوں بھسم کی تھی۔ انہوں نے اپنی زیست کے تمام ساز و سامان اپنے ہاتھوں ذبح کئے تھے۔ انہوں نے اسلام کے لئے اپنی زندگی کے تمام رشتوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اب ان کے پاس نہ اونٹ تھے، نہ گھوڑے، نہ بھیڑیں تھیں اور نہ بکریاں، نہ سامان تھا نہ مکان۔ نہ غذا، نہ پانی، نہ برتن۔ جسم پر کپڑے کا ایک تار نہ تھا مادر زاد برہنہ اور سمجھ یہ رہے تھے کہ "اب میں مومن اور موحد ہوا ہوں"۔ ماں نے پوچھا۔ تو اب کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگے "اب میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ستر پوشی کے بقدر کپڑا دے دیا جائے"۔ ماں نے ایک کمبل دیا۔ آپ نے وہیں اس کمبل کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا تہ بند کے طور باندھا اور دوسرا چادر کے طور پر اوڑھا۔ اور یہ مومن اور موحد اس حال میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کی تاریکی اپنی قوت ختم کر چکی تھی، کائنات، سورج کا استقبال کرنے کے لئے بیدار ہو رہی تھی، پرندے حمدِ خدا میں مصروف تھے، روشنی سے بھیگی ہوئی بادِ سحر مسجدِ نبوی میں اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ کہ گرد سے اٹا ہوا ذوالبجادین

سے سرشار تھا۔ اسی دھن میں یہ رسول اللہ کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا۔
"یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیے کہ میں راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں"
رسول اللہ نے فرمایا: "تم کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ"
عبداللہ درخت کا چھلکا لے کر خوشی خوشی حاضر خدمت ہوا۔ حضورؐ نے چھلکا لیا۔ اور اُسے عبداللہ کے بازو پر باندھ دیا۔ اور زبانِ مبارک سے فرمایا: "خداوند! میں کفّار پر عبداللہ کا خون حرام کرتا ہوں"
عبداللہ ارشادِ نبوی پر کچھ حیران سا رہ گیا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ! میں تو شہادت کا آرزومند تھا" فرمایا: "جب تم راہِ خدا میں نکل پڑے، پھر اگر بخار سے بھی مر جاؤ تو تم شہید ہو"
اسلامی فوج تبوک پہنچی تھی۔ کہ عبداللہ کو سچ مچ بخار آ گیا۔ یہی بخار ان کے لئے پیغامِ شہادت تھا۔ رسول اللہ کو ان کے انتقال کی خبر پہنچائی گئی۔ تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ ابن حارث مزنی سے روایت ہے کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اپنے ہاتھوں سے میّت کو لحد میں اُتار رہے تھے۔ خود رسول قبر کے اندر کھڑے تھے۔ اور حضرت عمرؓ سے فرما رہے تھے:۔

اَدْنِ اَخَاکُمَا

(اپنے بھائی کو ادب سے لحد میں اُتارو)

رجب ۹ھ کو اطلاع ملی کہ عرب کے تمام عیسائی قبائل قیصر روم کے جھنڈے تلے متحد ہو گئے ہیں، اور وہ رومی فوجوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اس وقت عرب کی گرمی خوب زوروں پر تھی۔ رسول اللہ نے آدمیوں اور روپے کے لئے اپیل کی۔ حضرت عثمان نے ۲۹۰ اونٹ ۱۰۰ گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ۴۰ ہزار درہم دیئے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے تمام مال و منال اور نقد و جنس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ جنگ کے چندے میں دے دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے "اللہ اور رسول کے نام" کے سوا اپنا سب کچھ اُٹھا یا اور رسول اللہ کی نذر کر دیا۔ حضرت ابو عقیل انصاری نے رات بھر محنت کر کے چار سیر کھجوریں کمائیں۔ دو سیر اپنے بیوی بچوں کو دیں اور دو سیر رسول اللہ کی خدمت پاک میں پیش کر دیں۔ عبداللہ ذوالبجادین کے پاس پہلے ہی خدا اور رسول کے نام کے سوا کچھ بھی موجود نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی پیش کر دی۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہجوم آتشبار کے طوفانوں میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ سواریاں اس قدر کم تھیں کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا۔ سامانِ رسد اس قدر قلیل تھا۔ کہ مسلمان درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ اور قیصر روم کے مقابلے پر منزل بہ منزل چلے جا رہے تھے۔ عبداللہ ذوالبجادین ولولہ جہاد سے لبریز تھا۔ شوقِ شہادت

عبداللہ بن زبیر

والد کا اسمِ گرامی، حضرت زبیر بن عوامؓ۔ والدہ حضرت اسماءؓ، نانا حضرت صدیقِ اکبرؓ خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پھوپھی، حضرت خدیجہؓ، دادی حضرت صفیہؓ۔

مدینہ منورہ میں تولد ہوئے۔ سات آٹھ برس کی عمر میں رسول اللہ سے بیعت کی عزت حاصل کی۔ ۲۱ سال کی عمر میں جنگ یرموک میں شامل جہاد ہوئے۔ فتح طرابلس (۲۶ھ) آپ کے حسنِ تدبّر کا نتیجہ تھی۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حمایت میں دل کھول کر لڑے۔ جنگ صفین میں غیر جانب دار رہے۔ جب حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تو آپ نے بھی دفع شر کے لئے اُن کی بیعت کر لی مگر جب انہوں نے یزید کو ولی عہد بنایا تو آپ نے شدید مخالفت کی۔ اس پر امیر معاویہؓ خود مدینہ آئے۔ اور امام حسینؓ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کو بلوایا۔ ان سب نے مجلس گفتگو میں آپ ہی کو نمائندہ مقرر کر دیا، یہاں جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

امیر معاویہ۔ آپ لوگ میری صلہ رحمی اور عفو درگذر سے خوب واقف

جب میّت لحد میں رکھ دی گئی تو رسول اللہ نے فرمایا: "اینٹیں میں خود رکھونگا"
چنانچہ رسول اللہ نے اپنے دستِ مبارک سے قبر میں اینٹیں لگائیں اور جب
تدفین مکمل ہو چکی تو دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ اور فرمایا :-

"الٰہی! میں آج شام تک مرنے والے سے خوش تھا، تو بھی اس سے
راضی ہو جا"

حضرت ابن مسعود نے جب یہ نظارہ دیکھا تو فرمایا "اے کاش، اس قبر
میں آج میں دفن کیا جاتا"

انتخاب خلیفہ کا اختیار دے دیا تھا۔

امیر معاویہ۔ اس کے علاوہ کوئی صورت بھی نہیں منظور ہو سکتی ہے۔

ابن زبیر۔ بالکل نہیں۔

امیر معاویہ نے سختی کی پالیسی پر عمل کیا، اختلاف کرنے والوں کی زبان بندی کر دی، اور پھر اہلِ مدینہ سے یزید کے حق میں بیعت لے لی۔ وفات کے وقت یزید کو وصیت کی "جو شخص لومڑی کی طرح کاٹے دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیر ہے، اگر وہ مان لیں تو خیر، ورنہ قابو پانے کے بعد انہیں ختم کر دینا"۔

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد جب امام حسینؓ شہید ہو چکے تو ابنِ زبیر نے تہامہ، حجاز اور مدینہ کے لوگوں سے بیعت لی۔ اور یزید کے عاملوں کو وہاں سے نکلوا دیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو بڑی فوج دے کر ان کے مقابلے پر بھیجا، مسلم نے پہلے مدینہ فتح کیا اور لوٹا، پھر اُن کے جانشین حصین بن نمیر نے جبل ابو قبیس پر چرخیاں لگا کر خانہ کعبہ پر آتشباری کی اور مکہ معظمہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس اثنا میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے بیٹے معاویہ نے خود ہی خلافت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب ابنِ زبیر قدرتی طور پر تمام ممالک اسلامیہ کے خلیفہ تھے۔ جس روز امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشین بنایا۔ نظامِ اسلام ختم ہو گیا تھا، اب قدرتاً نظامِ اسلام کے احیا کی پھر صحیح صورت پیدا ہو گئی۔

ہیں۔ یزید آپ کا بھائی اور ابن عم ہے۔ آپ اُسے برائے نام خلیفہ تسلیم کرلیں، مناصب اور خراج و خزانہ کا سب انتظام آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور یزید اس میں آپ کی مزاحمت نہیں کریگا۔

یہ سُنکر تمام لوگ خاموش رہے اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

امیر معاویہ - ابن زبیر! آپ اِن کے ترجمان ہیں۔ جواب دیجئے۔

ابن زبیر - آپ پیغمبر اسلامؐ یا ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے ہم اُسی وقت سر جھکا دیں گے۔

امیر معاویہ - ان لوگوں کا کیا طریقہ تھا؟

ابن زبیر - رسول اللہ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے آپؐ کے بعد ابوبکرؓ کو خود منتخب کیا تھا۔

امیر معاویہ - آج ہم میں ابوبکرؓ جیسی شخصیت کس کی ہے، اگر میں یہ راستہ اختیار کروں تو اس سے اختلافات اور بڑھ جائیں گے۔

ابن زبیر - تو پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عمر فاروقؓ کا طریقہ اختیار کیجئے۔

امیر معاویہ - اُن کا طریقہ کیا تھا؟

ابن زبیر - حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ اور حضرت فاروق نے چھ ایسے آدمیوں کو جو اُن کے رشتہ دار نہیں تھے،

کو شکستیں دیں اور ملک بدر کر دیا۔

۳- بنی ثقیف کے ایک چالاک آدمی مختار ثقفی نے جاہ طلبی کے لئے انتقام حسینؓ کا نعرہ بلند کیا، ابنِ زبیرؓ نہایت آسانی سے اِن لوگوں کو بنی اُمیّہ سے اُلجھا سکتے تھے، کیونکہ یہ نعرہ فی الاصل اُنہیں کے خلاف تھا۔ مگر اُنہوں نے یہ نہ کیا، بلکہ اُلٹا محمدؐ بن حنفیہ، ابن عباسؓ اور دوسرے اہل بیت کے دوسرے بزرگوں سے بگاڑ لی اور انہیں قید یا جلاوطن کر دیا، نتیجہ اس کا یہ ہُوا کہ مختار ثقفی کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا۔ اور اس نے ابنِ زبیرؓ کے گورنر کوفہ کو ملک بدر کر کے کوفہ اور عراق پر قبضہ کر لیا۔ آخر یہ فتنہ بڑے نقصان پہنچا کر کافی وقت لے کر اور بڑی قربانیوں کے بعد فرو ہوا۔ اور اسی اثنا میں مروان کے جانشین عبدالملک نے اطراف شام میں بہت بڑی قوت پیدا کر لی۔ اور قبل اس کے کہ ابن زبیر شام پر فوج کشی کرتے۔ عبدالملک نے عراق پر حملہ بول دیا اور گورنر کوفہ کو شکست دے کر عراق پر قابض ہو گیا۔ اب عبدالملک اس قابل تھا کہ وہ ابن زبیر سے آخری فیصلہ کر لے۔ اپنے اسی خیال کے ماتحت ایک دن اُس نے ایک بہت بڑا مجمع کیا اور ایک گرم جوش تقریر کی اور پھر مجمع عام سے پوچھا۔

عبدالملک - تم میں کون ہے جو ابنِ زبیر کے قتل کا بیڑا اُٹھائے؟

حجاج - یہ خدمت میں سرانجام دوں گا۔

عبدالملک - کوئی ایسا مردِ میدان ہے جو ابنِ زبیر کو ختم کر دے؟

بڑی توقع تھی۔ کہ امیر معاویہؓ سے جو بہت بڑی اجتہادی غلطی واقع ہوئی ہے، اب وہ نکل جائے گی۔ اور مسلمان پھر ہمیشہ کے لئے اسلام کے صحیح راستے پہ آجائیں گے۔ مگر افسوس کہ ابنِ زبیرؓ سے ابتدا ہی میں کچھ ایسی فروگذاشتیں ہوئیں کہ احیاءِ اسلام کی تمام اچھی امیدیں جو پیدا ہو رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہمیشہ کے لئے پیوندِ زمین ہوگئیں۔ فروگذاشتیں حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ شامی سپہ سالار حصین بن نمیر نے ابن زبیر سے کہا: ہم مشترکہ فوجوں کے ساتھ شام چلیں، اہلِ شام سب سے زیادہ آپ ہی کی خلافت کو ترجیح دیں گے۔ اور میں وہاں آپ کی بیعت کرانے کی کوشش کروں گا" ابن زبیر نے جواب دیا۔

"یہ اس وقت ہوگا جب کہ میں ایک ایک حجازی کے بدلے میں دس دس شامیوں کو قتل کرالوں گا" ــــ اس پہ حصین بن نمیر مایوس ہوکر اپنی فوج کے ساتھ شام واپس چلا گیا۔

۲۔ مروان اور دوسرے اکابر بنی اُمیّہ مدینہ میں ابنِ زبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار تھے، مگر ابنِ زبیرؓ نے مدینہ پہنچتے ہی ان لوگوں کو نکال دیا۔ اور اُن کے لئے یہ موقع خود بہم پہنچایا۔ کہ وہ شام جاکر اِن کی مخالفت کا علم بلند کر دیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ شام گئے۔ اور وہاں انہوں نے مروان کو خلیفہ بناکر ابن زبیرؓ کے علاقوں پہ فوج کشی شروع کر دی۔ اور دمشق، حمص، فلسطین اور مصر سے اُن کے گورنروں

ہو گئے اور حجاج کے ساتھ مل گئے۔ تیرے بیٹے نے بہادرانہ مقابلہ کیا اور میدانِ جنگ میں شہید ہو گیا۔

اب ابنِ زبیرؓ اپنی والدہ حضرت اسماؓ بنت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں مشورہ کے لئے آئے اس وقت حضرت اسماؓ کی عمر ۱۰۰ برس سے زیادہ تھی جسم میں جتنے مسام ہوتے ہیں، ان کے دل و جگر پر اتنے ہی داغ تھے بیٹے نے کہا :۔

اماں! میرے تمام ساتھی اور میرے بیٹے میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ صرف چند بندگانِ وفا باقی ہیں۔ مگر وہ بھی حملے کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری طرف دشمن ہمارے مطالبات کو تسلیم نہیں کر رہا ہے۔ ان حالات میں آپ کا مشورہ کیا ہے؟

حضرت اسماؓ۔ بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو جاؤ اور اس حق کے لئے جان دے دو، جس پر تمہارے بہت سے ساتھی قربان ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر تم حق پر نہیں ہو، تو پھر تمہیں سوچنا چاہیئے تھا کہ تم اپنی اور دوسرے لوگوں کی ہلاکت کے ذمہ دار بن رہے ہو۔

ابن زبیر۔ اس وقت میرے تمام ساتھی مجھے جواب دے گئے ہیں۔

حضرت اسماؓ۔ ساتھیوں کی عدم رفاقت شریف اور دیندار انسانوں کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ غور کرو کہ تمہیں اس دنیا میں کب تک رہنا ہے؟ حق کے لئے جان دے دینا حق کو پسِ پشت ڈال کر زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر

حجاج ۔ میں یہ فرض انجام دوں گا۔

عبدالملک ۔ کون ہے جو ابنِ زبیر کا سر قلم کر لائے؟

حجاج ۔ یہ خدمت میرے سپرد کی جائے۔

یہ خدمت حجاج کے سپرد کر دی گئی۔ اور وہ ۷۲ھ میں ایک فوج گراں کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابنِ زبیرؓ حرم کعبہ میں پناہ گزین تھے۔ حجاج نے حرم کو چاروں طرف سے گھیرا اور آتش زنی اور سنگ باری کو اپنا وظیفہ حیات قرار دے لیا گولے حرم کعبہ میں گر کر اس طرح پھٹتے تھے، جیسے دو پہاڑ ٹکر کھاتے ہیں اور ٹکرا ٹکرا کر پرزہ پرزہ ہو جاتے ہیں۔ ابنِ زبیرؓ بڑے سکون سے آگ اور پتھروں کی برسات کا مقابلہ کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ کئی مہینے ختم ہو گئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو آپ صحن کعبہ میں قبلہ رو کھڑے ہو جاتے۔ آپ کے چاروں طرف پتھروں کی برسات شروع رہتی۔ مگر آپ گرد و غبار سے زیادہ اسے اہمیت نہ دیتے۔ یہاں تک کہ رسد بالکل ختم ہو گئی اور فوج سواری کے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانے لگی۔ مکہ معظمہ کے اندر قحط نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ ہر در و دیوار سے درد و فریاد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ابنِ زبیرؓ کے ساتھی فاقہ کشی کے عذاب سے تنگ آ کر روزانہ بھاگتے تھے۔ اور حجاج بن یوسف کی صفوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ تعداد ۱۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ ابنِ زبیرؓ کے دو لختِ جگر ـــــ حمزہ اور حبیب ـــــ بھی ان سے الگ

ابن زبیر نے کہا۔ ہماری یہ آخری ملاقات ہے، آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ اور پھر سر جھکائے آگے بڑھے، دردمند ماں نے حوصلہ مند بیٹے کو گلے سے لگا لیا، اور بوسہ دیا، پھر فرمایا "بیٹا، اپنا فرض پورا کر دو" ابن زبیر اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے۔ حضرت اسماؓ کو جب یہ لوہے کی کڑیاں سی محسوس ہوئیں، تو ان کے دل پہ ایک دھچکا سا لگا۔ آپ نے تعجب سے فرمایا۔ میرے بیٹے! یہ کیا ہے؟ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کا تو یہ طریقہ نہیں ہوتا اس پہ ابنِ زبیرؓ کھڑے ہوئے۔ زرہ اُتار کر جسم سے الگ پھینک دی؛ اور رجز پڑھتے ہوئے تیغ بکف شامی فوج کی طرف آئے، پھر اس ولولہ و جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ میدان کانپ اُٹھا۔ چونکہ شامی سپاہ کی گنتی بے قیاس تھی۔ اس واسطے ان کے ساتھی حملے کی تاب نہ لاکر اِدھر اُدھر بکھرے، اس وقت ایک شخص نے پکار کر کہا۔ ابن زبیر! پیچھے ہٹ کر حفاظت گاہ میں چلے آئیے آپ نے آواز دینے والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور گرجتے ہوئے شیر کی طرح یہ للکارتے ہوئے آگے بڑھے "میں اس قدر بزدل نہیں ہوں کہ اپنے بہادر ساتھیوں کی موت کے بعد خود اسی موت سے بھاگ نکلوں"۔ ابنِ زبیرؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بپھرے ہوئے شیر کی طرح شامی فوج پر حملے کرتے تھے، جس طرح آپ تلوار لیکر اُمنڈتے تھے۔ صفیں اُلٹ جاتی تھیں، اور راہیں صاف ہو جاتی تھیں، چونکہ آپ کے جسم کو زرہ کی حفاظت حاصل نہ تھی، اس لئے آپ بے دریغ تلوار چلاتے جاتے

ہے۔

ابن زبیرؓ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بنی اُمیّہ کے لوگ میری لاش کو مثلہ کرینگے مجھے سولی پہ لٹکا دیں گے۔ اور کسی بھی بے حرمتی سے کوتاہی نہ کریں گے۔

حضرت اسماؓ۔ بیٹا! جب بکری ذبح ہو جائے تو پھر کھال اُتارنے سے اُسے کچھ تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ اچھا میدانِ جنگ کو سدھارو اور خدا تعالیٰ سے امداد طلب کر کے اپنا فرض ادا کر دو۔

ابنِ زبیر نے ماں کے سر کو بوسہ دیا اور کہا۔ اے مادرِ محترم! میں اللہ کی راہ میں کمزور ثابت نہ ہوں گا۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ کو اطمینان دلا دوں کہ آپ کے بیٹے نے امرِ باطل پر جان نہیں دی۔

حضرت اسماؓ۔ بیٹا! بہر حال میں تو صبر و شکر ہی سے کام لونگی۔ اگر تم مجھ سے پہلے چل دیئے تو میں صبر کرونگی۔ اگر کامیاب واپس لوٹے تو میں تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔ اچھا اب تم قربانی دو، انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ابن زبیرؓ۔ میرے حق میں دعا خیر فرما دیجئے!

حضرت اسماؓ۔ "اے اللہ! میں اپنے بیٹے کو تیرے سپرد کرتی ہوں، تو استقامت دے اور مجھے صبر و شکر عطا فرما"

دُعا کے بعد بوڑھی ماں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیئے اور فرمایا۔ بیٹا ذرا میرے پاس آجاؤ، تاکہ میں آخری مرتبہ تم سے مل لوں۔

خون سے تر ہو گئے، اس وقت بھی اُن کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

وَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ تَدْمِیْ کُلُوْمُنَا

وَلٰکِنْ عَلٰی اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَا

ہم وہ نہیں ہیں کہ پیٹھ پھیرنے سے ہماری ایڑیوں پر خون کرے۔ ہم وہ ہیں کہ سینہ سپر رہتے ہیں اور ہمارے پنجوں پر خون گرتا ہے۔

ابنِ زبیرؓ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ تلوار چلاتے جاتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر گر پڑے اور دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے حجاج نے حسبِ وعدہ ان کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیجدیا، اور ان کی لاش شہر کے باہر ایک اُونچی جگہ پر لٹکا دی۔

حضرت اسماؓ کو اس دردناک انجام کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے حجاج کو پیغام بھیجا: "ابنِ زبیرؓ کی لاش کو سولی سے ہٹا دیا جائے"۔ حجاج نے جواب دیا: "میں اِس نظارے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں"۔ حضرت اسماؓ نے پھر کہا: "مجھے تجہیز و تکفین کی اجازت دی جائے۔ مگر حجاج نے اِس سے بھی انکار کر دیا۔ قریش یہاں آتے تھے اور اپنے نامور فرزند کی لاش سولی پر دیکھ کر چلے جاتے تھے۔ ایک دن حضرت اسماؓ بھی اتفاقاً اِدھر سے گزریں، ابنِ زبیرؓ کی لاش اب بھی سُولی سے لٹکی کھڑی تھی آپ نے بیٹے پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ شاہ سوار بھی اپنے گھوڑے سے اُترے؟ علامہ شبلی نے حضرت اسماؓ کے اِن دلیرانہ

تھے۔ اور جسم کا خون برستے ہوئے بادل کی طرح ٹپکتا جاتا تھا۔ حجاج نے تمام شامی فوجوں کو حرکت دی، اپنے منتخب بہادروں کو آگے بڑھایا، اور پھر اس قوت و شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ شامی فوجیں زور کرتے ہوئے خانہ کعبہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں۔ لیکن برتری کی باگ اب بھی ابنِ زبیرؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مٹھی بھر جوان تلواروں کی بجلی اور نعرہ ہائے تکبیر کی کڑک کے ساتھ جس طرف رُخ کرتے تھے شامیوں کا ہجوم زیر و زبر ہو جاتا تھا۔ یہ حال دیکھ کر حجاج بن یوسف بھی اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا، اُس نے اپنے علمبردار کو آگے بڑھایا اور اپنے سپاہیوں کو للکارا، ٹھیک اُسی وقت ابن زبیر اپنی جگہ سے تڑپ کر اُٹھے، باز کی طرح لپکے اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا رُخ پھیر دیا، اسی اثنا میں خانہ کعبہ کے میناروں سے اذان کی صدائیں بلند ہوئیں، اللہ اکبر کے ساتھ ہی اس اللہ کے بندے نے تلوار نیام میں ڈال دی۔ اور اپنی ایک صف، حجاج بن یوسف کے مقابلے میں چھوڑ کر خود مقامِ ابراہیمؑ پر جا کھڑا ہوا۔

ابنِ زبیرؓ جب نماز سے لوٹے تو معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھی بکھر چکے ہیں علَم چھن چکا ہے، اور علمبردار قتل ہو چکا ہے۔ اِس نظارۂ یاس و حسرت سے دل کا جو حال ہوا بیان میں نہیں آسکتا، پھر بھی یہ بے فوج کا سپہ سالار اور بے علم کا مجاہد مردانہ وار آگے بڑھا اور یہ ایک "دس ہزار میں گھس کر تلوار چلانے لگا۔ سامنے سے ایک تیر آیا اور اُس نے ابنِ زبیر کا سر کھول دیا، ماتھا، چہرہ اور داڑھی

حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حیات پاک اُس قوم کے لئے جسے اللہ تعالیٰ حکمران ہونے کا شرف بخشے، نمونہ ہے۔ اور آپ کی وفات ہر فانی انسان کے لئے نمونہ ہے۔ اگر وہ حق پر جان قربان کر دینے کا آرزومند ہو۔ یہاں ہم حضرت موصوف کی زندگی اور موت کے مختصر حالات درج کرتے ہیں۔

جب خلیفہ ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا تو آپ نے فرمایا۔ اس شرط پر گورنری منظور کرتا ہوں کہ مجھے پہلے گورنروں کی طرح ظلم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا "آپ حق پر عمل کریں خواہ خزانہ خلافت کو ایک پائی بھی نہ ملے"۔ آپ نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی علماء و اکابر کو جمع کیا اور فرمایا :-

"اگر آپ لوگوں کو کہیں بھی ظلم نظر آجائے، تو خدا کی قسم مجھے اس کی اطلاع ضرور کر دیں"۔ جب تک آپ مدینہ کے گورنر رہے کسی شخص نے آپ سے عدل، نیکی، فیاضی اور ہمدردی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

الفاظ کا کس قدر اچھا ترجمہ کیا ہے ؎

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
اُن کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقات سے اِک دن جو اُدھر جا نکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں اِک بار
ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اُترتا نہیں اب بھی یہ سوار

ژ

ہیں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں، جب علمائے ممبروں پر حسبِ رواج آپ کا نام لیا اور درود و سلام بھیجا تو آپ نے فرمایا: "میری بجائے سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرو۔ اگر میں بھی مسلمان ہونگا۔ تو یہ دعا مجھے بھی خود بخود پہنچ جائیگی"۔ محل شاہی میں پہنچے تو وہاں خلیفہ سلیمان کے اہل و عیال فروکش تھے۔ ارشاد فرمایا۔ میرے لئے ایک خیمہ لگا دیا جائے، میں اس میں رہونگا"۔ یہ ہو گیا تو آپ اُداس چہرے، حیران آنکھوں اور اڑے ہوئے رنگ کے ساتھ گھر آئے۔ لونڈی نے دیکھتے ہی کہا:۔

"آپ آج اس قدر پریشان کیوں ہیں؟"

فرمایا: "آج مجھ پر فرض عائد کیا گیا ہے۔ کہ میں ہر مسلمان کا بغیر اس کے مطالبہ کے حق ادا کروں۔ آج میں مشرق و مغرب کے ہر یتیم و مسکین اور ہر بیوہ و مسافر کا جواب دہ بنا دیا گیا ہوں۔ پھر مجھ سے زیادہ قابلِ رحم اور کون ہو سکتا ہے؟"

امیر معاویہ سے خلیفہ سلیمان تک جتنے بھی اچھے اچھے علاقے، جاگیریں اور زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، وہ سب بنی اُمیہ والوں کو عطا کر دی گئی تھیں اُمت کی وہ تنہائی دولت سندات شاہی کے ذریعہ سے بس انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنی اُمیہ والوں کو جمع کر کے کہا:۔

"یہ سب اموال اُن کے اصل وارثوں کو واپس کر دو"۔

انہوں نے جواب دیا: "ہم سب کی گردن اُتار دینے کے بعد ہی یہ ہو سکتا ہے"۔

خلیفہ سلیمان کی آخری بیماری میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو شک ہوا کہ وہ کہیں آپ کو اپنا جانشین نہ بنا ئیں۔ گھبرائے ہوئے رجا بن حیوٰۃ (وزیر اعظم) کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: "مجھے خطرہ ہے کہ خلیفہ سلیمان نے میرے حق میں وصیت نہ کر دی ہو، آپ مجھے ابھی یہ بتا دیں تاکہ میں استعفےٰ دے کر سبکدوش ہو جاؤں۔ اور وہ اپنی زندگی میں کوئی دوسرا انتظام کر جائیں۔" رجاؒ نے آپ کو ٹال دیا۔ مگر جب وصیت نامہ سامنے آیا تو آپ کا خطرہ صحیح ثابت ہوا اس وقت خلیفہ سلیمان دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اس واسطے آپ نے عام مسلمانوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:-

"اے لوگو! میری خواہش اور تمہارے استصواب رائے کے بغیر مجھے خلیفہ بنایا گیا ہے، میں تمہیں اپنی بیعت سے خود ہی آزاد کئے دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو۔"

مجمع سے بالاتفاق آواز آئی: "یا امیر المومنین! ہمارے خلیفہ آپ ہیں۔"

ارشاد فرمایا: "صرف اس وقت تک جب تک کہ میں اطاعت الٰہی کی حد سے قدم باہر نہ رکھوں۔" اب شاہی سواریاں پیش کی گئیں کہ آپ محلِ شاہی میں تشریف لے چلئے۔ ارشاد فرمایا: "انہیں واپس لے جاؤ! میری سواری کے لئے اپنا خچر کافی ہے۔ جب آپ دارالخلافت کی طرف روانہ ہوئے تو کوتوال نے حسبِ دستور نیزہ اُٹھا کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا مگر آپ نے اُسے وہیں روک دیا۔ اور فرمایا۔

"میں انہیں اپنے اللہ کے سپرد کرتا ہوں"

آلِ مروان کی طرف سے لکھا گیا "یا امیر المومنین! آپ اپنے معاملات اپنی رائے سے طے کر لیں مگر گذشتہ خلفاء کی کارروائیوں کو کالعدم قرار نہ دیں" آپ نے فرمایا :-

"آپ لوگ مجھے ایک سوال کا جواب سمجھا دیں، اگر ایک ہی معاملہ کے متعلق امیر معاویہ اور خلیفہ عبدالملک کی سندات پیش کی جائیں تو فیصلہ کس کے مطابق دینا چاہیئے" لوگوں نے کہا "امیر معاویہ کی دستاویز قدیم ہے اس لئے اس کے مطابق فیصلہ دینا چاہیئے" اس پر آپ نے فرمایا :-

"میں بھی تو اب یہی کہہ رہا ہوں، میں خلیفوں کے فیصلے کو چھوڑتا ہوں اور قرآن قدیم کے مطابق فیصلے دیتا ہوں"

دوسری دفعہ یہی بحث چھڑی تو آپ نے فرمایا "اگر باپ کی موت کے بعد بڑا بھائی تمام جائداد پر قبضہ کر لے تو آپ کیا کریں گے؟ لوگ کہنے لگے "ہم چھوٹے بھائیوں کو بھی اُن کا حق دلوا دیں گے" آپ نے فرمایا "خلفائے راشدین کے بعد جو لوگ خلیفہ ہوئے انہوں نے غریبانِ اُمت کی جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب میں بھی انہیں غریبوں کا حق امیروں سے دلوا رہا ہوں"

ایک مرتبہ تمام آلِ مروان جمع ہوئے، اور انہوں نے آپ کے بیٹوں کے ذریعہ سے آپ کو یہ کہلا بھیجا "ہم آپ کے رشتہ دار ہیں، آپ پہلے خلیفوں کی طرح

اس پر عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ بھی اپنی تمام خاندانی جاگیروں اور عطیوں کی سنداتِ شاہی کا تھیلہ اُٹھائے وہاں تشریف لائے۔ میر منشی ایک ایک سند کو ہاتھ میں لیکر پڑھتا تو آپ ارشاد فرماتے۔ "میں نے یہ جاگیر اصل وارثوں کے حق میں چھوڑ دی"۔ اور پھر وہیں قینچی لیکر اس سندِ شاہی کو کتر کتر کر پھینک دیتے تھے۔ صبح سے ظہر تک آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی عطیات کی سندیں اس طرح کاٹ کاٹ کر ضائع کر دیں۔ اپنے ذاتی مال و دولت کو بیت المال میں داخل کرا دیا۔ پھر گھر تشریف لائے۔ اور اپنی بیوی فاطمہ سے جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں؟ ارشاد فرمایا۔ "اپنا وہ بیش قیمت جواہر جو تمہیں عبدالملک نے دیا تھا، بیت المال میں داخل کر دو، یا مجھ سے اپنا تعلق ختم کر لو؟"

باوفا اور سیر چشم بیوی یہ سنتے ہی اُٹھیں اور اپنے جواہر کو بیت المال میں بھیج دیا۔ جب دامن پاک اور گھر صاف ہو چکا تو آپ اہل خاندان کی طرف متوجہ ہوئے، اور یزید اور معاویہ تک کے وارثوں کو ایک ایک کر کے پکڑا اور تمام غصب شدہ جائدادیں اور اموال، اصل وارثوں کو واپس کرا دیئے، مال و دولت اس کثرت سے واپس ہوا کہ حکومتِ عراق کا خزانہ خالی ہو گیا اور اخراجات کے لئے دمشق (صدر مقام) سے وہاں روپیہ بھیجا گیا۔ بعض خیر خواہوں نے کہا۔ "آپ اپنی اولاد کے لئے کچھ چھوڑ دیں۔ ارشاد فرمایا:۔

خراسان کے گورنر کا خط آیا کہ اس ملک کے لوگ سخت سرکش ہیں اور تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز ان کی سرکشی کو دور نہیں کر سکتی۔ آپ نے جواب بھیجا "آپ کا خیال بالکل غلط ہے۔ بے لاگ حق پسندی اور معدلت گستری اُنہیں ضرور درست کر سکتی ہے۔ اب آپ اسی کو عام کیجئے"

آپ نے فرمان جاری کیا تھا کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ کا ایک درہم بھی وصول نہ کیا جائے۔ اِس حکم کے ساتھ ہی ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے اور جزیہ کی مد کا جنازہ اُٹھ گیا۔ حیان بن شریح نے رپورٹ کی کہ آپ کے فرمان سے لوگ اِس کثرت سے مسلمان ہونے لگے ہیں کہ جزیہ کی آمدنی ہی ختم ہو گئی ہے۔ اور مجھے قرض لے لیکر مسلمانوں کی تنخواہیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ آپ نے جواب بھیجا "جزیہ بہر حال موقوف کر دو اور یہ سمجھو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہادیٔ راہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ محصل خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور ہماری تمہاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ ہم اپنے ہاتھ سے کمائیں اور کھائیں۔

عدی بن ارطاط گورنر فارس کے عہدہ دار باغوں میں پھلوں کا تخمینہ کر کے اُنہیں کم قیمت پر خرید لیتے تھے۔ آپ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے تین آدمیوں کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی اور عدی کو لکھا "اگر یہ سب کچھ تمہاری پسند یا

ہماری قرابت کا لحاظ کریں آپ ہمیں عطیات سے محروم نہ رکھیں۔" آپ نے کہلا بھیجا "تم لوگ مجھے اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب نہیں ہو، اگر میں اُس کی قرابت قربان کر دوں تو کیا تم قیامت کے دن مجھے اُس کے عذاب سے بچا لوگے۔" لوگوں نے یہ سُنا اور مایوس ہو کر منتشر ہو گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گھر والوں کے روزینے بند کر دیئے، جب اُنھوں نے تقاضا کیا تو فرمایا "میرے اپنے پاس کوئی مال نہیں ہے اور بیت المال میں تمہارا حق اسی قدر ہے، جس قدر کہ اُس مسلمان کا جو سلطنت کے آخری کنارے پر آباد ہو۔ پھر میں تمہیں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ کس طرح دے سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر ساری دُنیا بھی تمہاری ہم خیال ہو جائے تو پھر بھی یہ نہیں کرونگا۔"

آپ نے سلطنت کے تمام ظالم عہدہ دار جن کے مزاج بگڑے ہوئے تھے دائرہ نظم و نسق سے الگ کر دیئے۔ عوام پر سے ہر قسم کا تشدد یکلخت ہٹا دیا۔ افسرانِ پولیس نے کہا "ہم جب تک لوگوں کو شبہ میں نہ پکڑیں اور سزائیں نہ دیں واردات بند نہیں ہوں گی۔"

آپ نے اِن سب کو ایک رقعہ لکھ بھیجا "آپ صرف حکمِ شریعت کے مطابق لوگوں سے مواخذہ کیجئے، اگر حق و عدل پر عمل کرنے سے واردات نہیں رُکتی تو اسے جاری رہنے دیجئے۔"

براہِ راست کوئی فائدہ نہ ہو۔"

آپ نے شاہی خاندان کے وظیفے بند کر دیئے۔ وہ تمام اخراجات اُڑا دیئے جو شوکتِ شاہانہ کے اظہار کے لئے کئے جاتے تھے۔ شاہی اصطبل کی سواریاں فروخت کر دیں اور تمام روپیہ بیت المال میں بھیجدیا۔ پھر اُن تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر کئے، جو کمائی کرنے کے قابل نہ تھے، ان سب کے لئے وظیفے مقرر کئے۔ حکم عام یہ تھا کہ میری سلطنت میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔ بعض گورنروں نے لکھا۔ "اس طرح تمام خزانے خالی ہو جائیں گے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جواب یہ تھا "جب تک اللہ کا مال موجود ہے اللہ کے بندوں کو دیتے چلے جاؤ، جب خزانہ خالی ہو جائے تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی سلطنت کے اندر مسلم اور غیر مسلم کے شہری حقوق یکساں کر دیئے۔ حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ آپ نے قاتل کو پکڑ کر مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے اُسے قتل کر ڈالا۔ ربیعہ بن شعودی نے ایک سرکاری ضرورت کے لئے ایک غیر مسلم کا گھوڑا پکڑ لیا۔ اور اس پر سواری کی، حضرت کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے ربیعہ کو بلایا اور اُسے ۴۰ کوڑے لگوائے۔ خلیفہ ولید نے اپنے بیٹے عباس کو ایک ذمی کی زمین جاگیر میں دے دی تھی۔ ذمی نے دعوے کر دیا تو آپ نے عباس سے کہا۔

ایسا ہو رہا ہے تو میں تم کو مہلت نہ دوں گا۔ میں ایک تحقیقاتی وفد بھیجتا ہوں۔
اگر میری اطلاع صحیح نکلی تو یہ تمام پھل، باغات کے مالکوں کو واپس کر دیں گے
تم کمیٹی کے کام میں ذرا بھی مداخلت نہ کرنا۔"

ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا، حضرت عمر بن
عبدالعزیزؒ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ بے قرار ہو گئے۔ اسی وقت قلم ہاتھ میں لیا اور
یمن کے افسر خزانہ کو لکھا۔

"میں تمہیں خائن قرار نہیں دیتا، پھر بھی تمہاری لاپرواہی کو اس کا مجرم قرار دیتا
ہوں۔ میں مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں۔ تم اس پر شرعی حلف
اٹھاؤ کہ دینار کی گمشدگی میں تمہارا ہاتھ نہیں ہے۔"

سلطنت کا دفتری عملہ شاہی احکام کے اجرا میں کاغذ، قلم، دوات اور لفافے
خوب استعمال کرتا تھا، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس
فضول خرچی اور نمائش کی طرف بھی توجہ فرمائی اور ابوبکر بن حزم اور دوسرے
اہلکاروں کو لکھا:-

"تم وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں روشنی کے بغیر گھر سے مسجد نبوی
میں جایا کرتے تھے، بخدا آج تمہاری حالت اس سے بہت بہتر ہے۔ اپنے قلم
باریک کرو، سطریں قریب قریب لکھا کرو۔ دفتری ضروریات میں کفایت شعاری
برتو، میں مسلمانوں کے خزانہ سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا جس سے ان کو

ایک طرف کروڑوں لوگ امن و مسرت اور راحت و شادکامی کے شادیانے بجا رہے تھے اور دوسری طرف وہ وجود پاک جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا روز بروز ضعیف و نزار ہوتا چلا جا رہا تھا، اُسے دن کا چین میسر نہیں تھا۔ اُسے رات کی نیند نصیب نہ تھی، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر بنائے گئے۔ تو اُس وقت اُن کا ذاتی ساز و سامان اس قدر وسیع اور عظیم تھا۔ کہ صرف اُسی سے پورے تیس اونٹ لاد کر مدینہ منورہ بھیجے گئے، جسم اس قدر تر و تازہ تھا کہ ازار بند، پیٹ کے پٹھوں میں غائب ہو جاتا تھا، لباس، تنعم اور عطریات کے بے حد شوقین تھے، نفاست پسندی کا یہ حال تھا کہ جس کپڑے کو دوسرے لوگ آپ کے جسم پہ ایک دفعہ دیکھ لیتے تھے۔ اُسے آپ دوبارہ نہیں پہنتے تھے، چار چار سو روپے کی قیمت کا کپڑا حاضر کیا جاتا تھا۔ مگر آپ اسے خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ خوشبو کے لئے مشک اور عنبر استعمال کرتے تھے۔ رجاء بن حیوٰۃ (وزیر اعظم خلیفہ ولید) کا بیان ہے کہ ہماری سلطنت میں سب سے زیادہ خوش لباس، معطر اور خوش خرام شخص عمر بن عبدالعزیز تھے۔ آپ جس طرف سے گذرتے تھے، گلیاں اور بازار خوشبو سے مہک جاتے۔ لیکن جس دن خلیفہ اسلام بنائے گئے، آپ نے ساری جاگیریں اصل مالکوں کو واپس کر دیں اور فرش فروش، لباس و عطر، ساز و سامان، محلات، لونڈی، غلام اور سواریاں، سب بیچ دیا۔ اور قیمت بیت المال میں داخل کر دی، آپ کے پاس

"تمہارا عذر کیا ہے"؟ اس نے کہا: "یہ خلیفہ ولید کی سند میرے پاس موجود ہے"۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "ذمی کی زمین واپس کر دو۔ ولید کی سند کتاب اللہ پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ ایک عیسائی نے خلیفہ عبدالملک کے بیٹے ہشام پر دعویٰ کر دیا، جب مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوئے تو آپ نے دونوں کو برابر کھڑا کر دیا۔ ہشام کا چہرہ اس بے عزتی پر فرطِ غضب سے سرخ ہو گیا، آپ نے یہ دیکھا تو فرمایا: "اس کے برابر کھڑے رہو، شریعتِ حقہ کی شان عدالت یہی ہے کہ ایک بادشاہ کا بیٹا عدالت میں ایک نصرانی کے برابر کھڑا ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صرف ڈھائی سال حکومت کی تھی۔ اِس مختصر مدت میں خلق خدا نے یوں محسوس کیا کہ زمین و آسمان کے درمیان عدل کا ترازو کھڑا ہو گیا ہے۔ اور فطرتِ الٰہی خود آگے بڑھ کر انسانیت کو آزادی، محبت اور خوشحالی کا تاج پہنا رہی ہے۔ لوگ ہاتھوں میں خیرات لئے پھرتے تھے۔ مگر کوئی محتاج نہیں ملتا تھا۔ لوگ ناظم بیت المال کے پاس عطیات کی رقمیں بھیجتے تھے، مگر وہ عذر کرتے تھے کہ یہاں کوئی حاجت مند باقی نہیں رہا۔ اور عطیات کو واپس کر دیتے تھے۔ عدی بن ارطاط والئی فارس نے آپ کو لکھا کہ یہاں خوشحالی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عام لوگوں کے کبر و غرور میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو گیا ہے۔ آپ نے جواب بھیجا۔ لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دینا شروع کر دو۔

اُن کے حوالے کر دیا۔ وہ مایوس ہو کر دوبارہ آپ کی خدمت میں آئے۔ فرمایا "اے بیٹا، میرے پاس تو بس یہی کچھ ہے، پھر دوبارہ غور کر کے فرمایا" اگر تم نہیں رہ سکتے تو اپنی تنخواہ میں سے ایک سو درہم پیشگی لے لو۔ رقم دے دی مگر جب تنخواہ کا وقت آیا تو کاٹ لی۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک ملازم نے آپ کی بیوی سے کہا۔ روز روز یہ دال روٹی، ہم سے نہیں کھائی جاتی۔ بیوی نے کہا" میں کیا کر سکتی ہوں امیر المومنین کی روزانہ غذا یہی ہے۔ اور اس کو بھی وہ کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے" ایک دن طبیعت پر آگئی کہ انگور منگائیں۔ حضرت فاطمہ (بیوی) سے فرمایا" کیا تمہارے پاس ایک درہم ہے۔ میں انگور کھانا چاہتا ہوں" فاطمہ نے کہا۔ خلیفۃ المسلمین ہو کر کیا آپ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔ فرمایا" میرے لئے جہنم کی ہتھکڑی سے یہ زیادہ آسان ہے"۔

جب خلافت کی ذمہ داریوں کا پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑا تو غذا اور خوراک کے علاوہ میاں بیوی کے تعلقات سے بھی علیحدگی اختیار کر لی تھی، سارا دن سلطنت کی ذمہ داریاں ادا فرماتے اور رات کے وقت عشا پڑھ کر تن تنہا مسجد میں بیٹھ جاتے اور ساری ساری رات جاگتے سوتے مگر یہ وزاری میں بسر کر دیتے۔ فاطمہ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ایک دن اُنہوں نے تنگ آکر پوچھا تو ارشاد فرمایا:۔

لباس کا صرف ایک جوڑہ رہتا تھا۔ جب وہ میلا ہوتا۔ اُسی کو دھو کر پہن لیتے تھے۔
مرض الموت میں آپ کے سالے نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا :-
امیر المؤمنین کی قمیص سخت میلی ہو رہی ہے۔ لوگ بیمار پرسی کے لئے آتے ہیں اُسے بدل دو۔"
فاطمہ نے یہ سُنا اور خاموش ہو گئی۔ بھائی نے جب پھر یہی تقاضا کیا تو فرمایا :-
" خدا کی قسم، خلیفہ اسلام کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے میں کہاں سے دوسرا کپڑا پہنا دوں"۔ پھر یہ جوڑا سالم نہیں تھا، اس میں کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔
ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی کے پاس کپڑا نہیں تھا۔ فرمایا" ابھی میرے پاس گنجائش نہیں ہے، فرش پھاڑ کر اس کا کرتہ بنا دیا جائے، حضرت کی بہن کو خبر ہوئی۔ تو اُنھوں نے بچی کے کپڑوں کے لئے ایک تھان لے دیا اور ساتھ ہی کہا :-
" امیر المومنین کو اس کی خبر نہ دینا "
ایک مرتبہ آپ کے ایک صاحبزادے نے کپڑے مانگے۔ فرمایا" میرے کپڑے خیار بن ریاح کے پاس ہیں۔ اُن سے لے لو۔ خلیفۂ اسلام کا صاحبزادہ خوشی خوشی خیار بن ریاح کے پاس گیا تو اُنھوں نے صرف ایک کھدر کا کرتہ نکال کر

کی ذمہ داریوں میں ایک منٹ کا بھی اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اطبا سے فرمایا :-

" اگر مجھے یقین ہو کہ مرض کی شفا میرے کان کی لَو کے پاس ہے تو میں پھر بھی ہاتھ بڑھا کر اُسے قبضے میں نہیں لاؤں گا "

خلیفہ سلیمان نے خود ہی یزید بن عبدالملک کو آپ کا جانشین مقرر کر دیا تھا، آپ نے اس کے لئے حسبِ ذیل وصیّت نامہ لکھوایا :-

" اب میں آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں، وہاں خدا تعالیٰ مجھ سے سوال کریگا، حساب لے گا، اور میں اس سے کچھ چھپا نہیں سکوں گا اگر وہ مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوں۔ اگر وہ راضی نہ ہوا تو افسوس میرے انجام پر، تم کو میرے بعد تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے، رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے، تم میرے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہو گے، ایسا نہ ہو کہ تم غفلت میں پڑ جاؤ اور تلافی کا وقت ضائع کر دو "

سلمہ کو آپ کے اہل و عیال کا بہت خیال تھا۔ انہوں نے عرض کی :-

" امیرالمومنین کاش اس آخری وقت ہی میں آپ اُن کے لئے کچھ وصیّت فرما جاتے "

اگرچہ آپ اس وقت بے حد کمزور تھے، پھر بھی ارشاد فرمایا " مجھے ٹیک لگا کر

"میں نے ذمہ داری کے سوال پر غور کیا ہے۔ اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں اس اُمت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کاموں کا ذمہ دار ہوں مجھے یہ یقین ہو چکا ہے۔ کہ میری سلطنت کے اندر جس قدر بھی غریب مسکین، یتیم، مسافر مظلوم اور گمشدہ قیدی موجود ہیں، اُن سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ خدا تعالیٰ ان سب کے متعلق مجھ سے پوچھے گا۔ رسول اللہ ان سب کے متعلق مجھ پر دعوے کریں گے اگر میں خدا اور رسول کے سامنے جواب دہی نہ کر سکا تو میرا انجام کیا ہوگا؟۔ جب میں اِن سب باتوں کو سوچتا ہوں تو میری طاقت گم ہو جاتی ہے، دل بیٹھ جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بے دریغ بہنے لگتے ہیں"۔

آپ رات رات بھر جاگ کر موت کی جواب دہی پر غور کرتے تھے اور پھر دفعتہً بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ آپ کی بیوی ہر چند آپ کو تسلی دیتی تھیں۔ مگر آپ کا دل نہیں ٹھیرتا تھا۔ حضرت نے اسی حال میں خلافت کے ڈھائی سال گزارے۔ رجب ۱۰۱ھ ہجری میں اُمیہ خاندان کے بعض لوگوں نے آپ کے غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کو اس کا علم ہوا تو غلام کو پاس بلایا۔ اس سے رشوت کی اشرفیاں لے کر بیت المال میں بھجوا دیں اور پھر فرمایا:-

"جاؤ۔ میں تمہیں اللہ کے لیے معاف اور آزاد کرتا ہوں"۔

طبیبوں نے فیصلہ کیا کہ زہر کے اخراج کی صورت کی جائے مگر آپ خلافت

دی۔ پھر فرمایا: جب مجھے دفن کرو تو یہ رسول اللہ کے ناخن اور موئے مبارک میرے کفن کے اندر رکھ دینا۔ اُسی وقت پیغامِ ربّانی آگیا۔ اور زبانِ مبارک پر یہ آیاتِ قرآنی جاری ہو گئیں:-

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسی زندگی اور موت ہر مسلمان کو نصیب کرے۔

انہیں الفاظ پہ اس کتاب کو ختم کیا جاتا ہے۔

بٹھادو۔" آپ کو بٹھا دیا گیا تو ارشاد فرمایا:" خدا کی قسم میں نے اپنی اولاد کا کوئی حق تلف نہیں کیا، البتہ وہ جو دوسروں کا حق تھا، وہ نہیں دیا۔ میرا اور ان کا وارث صرف خدا ہے۔ میں ان سب کو اُسی کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر یہ اللہ تعالےٰ سے ڈریں گے تو وہ اِن کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔ اگر یہ گناہوں میں مبتلا ہونگے تو میں انہیں مال و دولت دے کر ان کے گناہوں کو قوی نہیں بناؤں گا۔

پھر آپ نے اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور فرمایا:" اے میرے عزیز بچّو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولتمند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے۔ دوم یہ کہ تم محتاج رہو۔ اور تمہارا باپ جنّت میں داخل ہو، میں نے آخری بات پسند کر لی ہے، اب میں تمہیں صرف خدا ہی کے حوالے کرتا ہوں۔"

ایک شخص نے کہا:" حضرت کو روضہ نبوی کے اندر چوتھی خالی جگہ میں دفن کیا جائے۔ یہ سُنکر فرمایا:" خدا کی قسم! میں ہر عذاب برداشت کر لوں گا مگر رسول اللہ کے جسم پاک کے برابر اپنا جسم رکھواؤں۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد آپ نے ایک عیسائی کو بلایا اور اُس سے اپنی قبر کی زمین خریدی۔ عیسائی نے کہا:" میرے لئے یہ عزت کیا کم ہے کہ آپ کی ذات پاک میری زمین میں دفن ہو، میں اب اس عزت کی قیمت وصول نہیں کرونگا۔"

فرمایا:" یہ نہیں ہو سکتا۔" آپ نے اصرار کر کے قیمت اُسے اُسی وقت ادا کر